سلسلۂ دار المصنفین

نمبر

برکلے

اوّل

جس مین برکلے کی مکمل سوانح، اس کی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقدانہ تلخیص

اور اُسکے "فلسفۂ تصوریت" کی تشریح و تنقید ہو

از

(اسسٹنٹ) پروفیسر عبد الباری ندوی

استاذ فلسفہ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن

باہتمام مسعود علی ندوی



در مطبع معارف اعظم گڈہ بچاپ رسید

طبع دوم سنہ ۱۹۲۴ء ۲۰۰۰ جلد

انتساب

میری انگریزی کی تحصیل بہت کچھ میرے محترم بزرگ خان بہادر شیخ مقبول حسین سی، آئی، ای، تعلقدارِ گدیہ کی رہین کرم ہے۔ لہٰذا منت پذیری کا تقاضا، اِس زبان کا سب سے پہلا استفادہ نذر میں پیش کرتا ہے، ع

مگر بعین عنایت قبول فرماید

"عبدالباری"

فہرست مضامین

تصنیفات

برکلے کا فلسفۂ تصوریت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

انگریزی بدنام ہے کہ اُس نے لفظ **فلسفہ** کا استعمال نہایت ہی سُست اور پامال کردیا ہے، اُردو پر بھی انگریزی ہی کا سایہ پڑا ہے، اور **فلسفہ** کا لفظ ہر کس وناکس کی زبان پر ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اصلی اور صحیح معنی (مابعد الطبعیات) مین اُردو کہنا چاہیئے کہ ابھی فلسفہ کی ابجد سے بھی ناآشنا ہے۔ اور کسی جلیل القدر مذہب فلسفہ کے بانی کا کوئی مکمل **کلاسکل** کارنامہ تو قطعاً ہماری زبان مین موجود نہین۔ اس لحاظ سے "**مبادی علم انسانی**" (جو پچھلے سال "دارالمصنفین" سے شایع ہو چکی ہے) اُردو مین **فلسفہ جدیدہ** کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ یہ اگرچہ کینٹ اور ہیگل وغیرہ کے سنگلاخ مصنفات کے دیکھتے ہوے پانی ہے۔ تاہم چونکہ مباحث فلسفہ مین مابعد الطبعیات کی بحثین قدرتاً زیادہ عسیر الفہم، مجرد اور پیچیدہ ہوتی ہین۔ اس لیے متعلمین فلسفہ کے دائرہ اور اعلیٰ درسگاہون کے احاطہ سے باہر بہت کم لوگ مبادی سے پوری طرح متمتع ہو سکتے ہین۔ سچ یہ ہے کہ ایسی کتابین زیادہ تر درس وتدریس ہی کے کام آسکتی ہین۔ چنانچہ یہ خود اکثر یونیورسٹیون کے نصاب فلسفہ مین داخل رہی اور رہتی ہے۔

ان افکار عالیہ کی اشاعت کو وسیع تر بنانے کے لیے اگر کوئی صورت ہے تو صرف یہ کہ ان کو تابہ امکان سہل اور صاف پیرایہ مین ڈھال کر مصنف کے دلچسپ احوال زندگی

وغیرہ کی لپیٹ مین بیان کردیا جائے، جس سے تلخکامی کا احساس نسبتہً کم ہوجاتا ہی۔ انگریزی مین "بلیاٹ وڈس فلوسافکل کلاسکس" وغیرہ مختلف سلسلون سے بہت کچھ اسی مقصد کی خدمت گذاری ہوتی ہے۔ پیشکش مجموعہ کی بھی ایک بڑی غرض یہی ہے۔ اس مین (۱) برکلے کی سوانح (۲) اس کی فلسفیانہ تصانیف کا ملخص۔ اور (۳) اس کا فلسفہ تصوریت شامل ہے۔ ان مین سے ہرایک کی نسبت چند باتین کہنی ہین۔

سوانح | "شبلی اکاڈمی" کے سید الطائفہ کا اعتراض ہے کہ "تم نے سوانح سے اتنے صفحات کیون رنگ ڈالے؟ ہمکو برکلے کے خیالات سے مطلب ہے، اس کے حالات سے کیا سروکار؟" مسٹر ہین (پرنسپل دکن کالج) سے ایک روز گفتگو آئی تو کہا، کہ "برکلے کی زندگی تو نہایت دلکش ہے لیکن اس کا فلسفہ سرتاسر بے معنی ہے" ہمارے نزدیک ع "یار ما این دارد و آن نیز ہم"۔ برکلے کی سب سے پہلے قابل استناد لائف اُسکی وفات سے ۲۳-۲۴ سال بعد ۱۷۷۶ء مین اسٹاک نامی ایک بشپ نے لکھی۔ جو نہایت مختصر اور ناتمام ہے۔ لیکن سو برس تک کہنا چاہیے کہ اُسی کے چند واقعات کا اُلٹ پھیر کر، یورپ بھر مین اعادہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد پروفیسر فریزر[1] نے جاکر اس بے اعتنائی کے ننگ کو دھویا، جو اٹھارھوین صدی کے ایک فیلسوف اعظم کے حالات زندگی کے ساتھ برتی جارہی تھی۔ اور سچ یہ ہے کہ اس نے حق ادا کردیا۔ تقریباً سوا سو سال کے استدادِ ایام کی دست برد سے جو کچھ بچا تھا، اس کے ایک ایک ذرہ کو انتہائی کاوش وتحقیق سے یکجا کرکے ۱۸۷۱ء مین "سوانح ومکاتیب برکلے" کے نام سے ساڑھے پانچسو سے زاید صفحات

---

[1] الگزنڈر کیمبل فریزر (۱۸۱۹ء تا سہ) کا خود فلسفہ کے ممتاز رجال مین شمار ہے۔ اپنے مشہور استاد سر ولیم ہملٹن کے بعد "اڈنبرا یونیورسٹی" مین منطق و ما بعد الطبعیات کے پروفیسر کی حیثیت سے اس کا جانشین قرار پایا۔ برکلے کا تو وہ پورا پورا متعلم ہی ہے۔ باقی لاک وغیرہ بھی اسکے قلم کے منت کش ہین۔ خود اپنی لائف نہایت دلچسپ لکھی ہے۔

کے ضخیم مجلد مین شایع کیا۔ اسی کے ساتھ تین جلدون مین تمام نوشتجات بھی نہایت سلیقہ سے تین عنوانات کے تحت مین مرتب کرکے چھاپ دیے "سوانح و مکاتیب" والی جلد مین برکلے کی چند پرائیویٹ غیر مطبوعہ تحریرین بھی شامل ہین، جو سوانح نگار کے لیے نہایت قیمتی مواد ہین۔

تھوڑے دن بعد کچھ اور ذخیرہ ہاتھ آیا۔ جسمین سر جان پرسیول کے نام کے خطوط خاص اہمیت رکھتے ہین۔ اس جدید سرمایۂ معلومات کو سامنے رکھکر ۱۸۸۱ء مین پھر قریباً ڈھائی سو صفحے کی ایک کتاب برکلے پر لکھڈالی جسمین پرسیول کی مراسلت کے اقتباسات جابجا درج ہین ۱۹۰۱ء مین مجموعہ نوشتجات اور مکاتیب و سوانح" کا دوسرا اڈیشن بہت کچھ اضافہ کے ساتھ نکلا۔ اور اب جو کچھ برکلے کے کوائف حیات سے متعلق لکھا جاتا ہے وہ تمامتر فریزر ہی کے خرمن کی خوشہ چینیان ہوتی ہین۔

اس بنا پر ۱۸۷۱ء کے بعد برکلے کا کوئی سوانح نگار اگر فریزر کے سوا کسی اور کا نام لے تو یہ قطعاً اسکی حق ناشناسی یا پھر اپنی وسیع النظری کا خواہ مخواہ دکھلاوا ہوگا۔ ورنہ انصاف یہ ہے کہ ایک قطرہ بھی اس سمندر سے باہر نہین ہے ہمنے جو کچھ کیا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ ۶-۷ سو صفحات کو ۵۶ صفحے مین نچوڑ لیا ہے تفصیل سے اجمال پر قناعت کی۔ اُن باتون کو کلیۃً چھوڑ دیا ہے جو برکلے سے بالذات یا قریبی علاقہ نہین رکھتین۔ مکاتیب کے صرف بامحل اور برجستہ جستہ اقتباسات پر بس کیا ہے۔ پھر بھی اس امر کا پورا اہتمام رکھا گیا ہے کہ کوئی ایسا جزئی سے جزئی واقعہ بھی نہ چھوٹنے پائے جس سے زندگی کے کسی رُخ پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہو۔ اسکی خاطر بعض غیر دلچسپ اور مُہمل باتین بھی آگئی ہین لیکن جو خط و خال بھی چہرہ پر دکھلائی پڑے ہین۔ اُن کو اتنا اُجاگر کر دیا گیا ہے کہ مقدور بھر کامل نقشہ سامنے آجائے

چونکہ ہم نے تمام مواد خود پڑھ کر براہ راست استعمال کیا ہے اس لیے قدرتی طور پر اخذ و استنباط مین کہین کہین پروفیسر موصوف سے اختلاف ہوگیا ہے۔ واقعات کی ترتیب و تبویب مین بہت کافی فرق ہے جو لوگ فلسفہ سے ذوق بھی نہین رکھتے اُمید ہے کہ اُنکے

لیے سوانح کا حصہ کچھ نہ کچھ دلچسپ اور بہت کچھ سبق آموز ہوگا۔

ہمارے سید **فاضل**، جو سوانح کو سرے سے غیر ضروری یا ۵ صفحے سے زائد اسکی نذر کردینا بیجا خیال فرماتے تھے۔ انکی اتنی نظر تو لگ ہی گئی کہ کاتب صاحب نے پورا ایک ثلث مسودہ غائب کردیا۔ گم شدہ مسودہ کو از سرنو دوبارہ لکھنا جسدرجہ ناگوار اور تلخ تجربہ ہے اس کا حال اس تلخکامی کے کسی تجربہ کار ہی سے پوچھو۔ طبیعت پر بجید جبر کرکے بُری بھلی طرح اس بوجھ کو اُتارنا پڑا جسکا فقط اتنا ہی وبال نہین پڑا، کہ دوچار صفحے اور گھٹ گئے، بلکہ واقعات کے ایک گونہ باہمی عدم تناسب اور ناہمواری وغیرہ کے بھی بعض نقائص پیدا ہو گئے،

تصنیفات اس عنوان مین صرف وہی کتابین لی گئی ہین جنکو کچھ نہ کچھ فلسفیانہ افکار ومباحث سے تعلق ہے۔ اور کسی قدر ناقدانہ حیثیت سے اُن کے مہمات مطالب کی تلخیص کردی گئی ہے، جدید نظریۂ رویت کا ذرا تفصیل سے ذکر ہے، کہ وہ بجائے خود **علم النفس** و **علم المرایا** کے ایک عظیم الشان انکشاف وتحقیق پر مشتمل ہونے کے علاوہ مبادی کے اصل فلسفہ کا مقدمۂ اولیٰ یا صغریٰ ہے۔ خود مبادیِ علم انسانی کے دعویٰ کو بھی اختصار کی رعایت کے ساتھ جہانتک بن پڑا ہے، زیادہ واضح اور سہل تر اسلوب سے بیان کردیا گیا ہے کہ عامی آدمی بھی تھوڑا بہت بہرہ اندوز ہو سکے۔

پروفیسر فریزر نے اس میدان مین بھی اپنی قابلیت اور محنت کی داد دی ہے۔ یعنی ہر تصنیف پر ایک بسیط اور مفید دیباچہ لکھا ہے۔ مباحثِ کتاب کا خلاصہ بھی دیدیا ہے لیکن اس بارے مین ہم برائے نام ہی کسی دوسرے کے رہین ہین۔ کیونکہ ہم نے خود برکلے کے مصنفات کا کہنا چاہیے کہ ایک ایک حرف پڑھا ہے۔

فلسفۂ تصوریت کتاب کا یہ حصہ اربابِ ذوق کی نظر اور غائر نظر کا سب سے زیادہ مستحق ہے ابتدا مین

فلسفۂ برکلے کی مخصوص نوعیت اور اسکے ارتقائے تاریخی کی چند موٹی موٹی کڑیون کا ذکر ہے پھر تشریح و تنقید ہے۔

اس ذیل مین صرف اتنی بات قابل لحاظ ہے کہ برکلے کے اصل نظریہ اور دعوے کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے دلائل کا کلیۃً التزام نہین کیا گیا ہے۔ بلکہ اختصار کی خصوصیت کے ساتھ زیادہ ذہن نشین ترتیبِ مقدمات اور زیادہ یسیر الفہم پیرایۂ بیان مین تشریح کی کوشش کی گئی ہے۔ تنقید مین وجودِ خدا کے دلائل کی جو کچھ تضعیف کی گئی ہے اُس سے فلسفۂ تصوریت کی کمزوریون کا اظہار مقصود ہے۔

اخیر مین مجکو اپنے فاضل اور مکرم دوست پروفیسر **شیخ عبدالقادر** ایم۔ اے فیلو بمبئی یونیورسٹی کا بالتخصیص شکریہ ادا کرنا ہے۔ انکی بدولت نہ صرف بمبئی کے کتب خانون سے بوقت ضرورت تمتع اُٹھاتا رہا ہون۔ بلکہ برکلے اور مبادیِ **علم انسانی** دونون پر نظر ثانی انہی کے علم کدہ پر ہوئی ہے۔ بعض وقت حوالون کی جستجو مین اُنھون نے مدد دی ہے۔ جابجا انگریزی شکوک مین اُن سے تشفی حاصل کی گئی ہے۔ اپنے مرتبہ سے اُتر کر اُنھون نے تصحیح تک کی خدمت انجام دی ہے۔

کتابت کی غلطیان کمًّا و کیفًا کسی حیثیت سے بھی "مبادی" سے کم نہین ہین۔ بعض جگہ اقتباسات کے ترجمہ مین انگریزی لفظ کا انگریزی ہی خط مین نہایت بدنما پیوند نظر آئیگا۔ خدا جانے یہ کاتب کی مہربانی ہے یا مسودہ مین نظر ثانی کے وقت کاٹنا رہ گیا۔ کچھ بھی ہو دوسری ہی تجربہ کے بعد یہ تہیہ کرلینا پڑا ہے کہ جب تک کاٹ چھانٹ کے بعد مسودہ خوشخط اور جلی قلم سے صاف نہ کرالیا جائے، اس وقت تک پریس کے حوالہ نہ کرنا چاہیے۔

(دکن کالج پونہ۔ جنوری ۱۹۱۹ء) عبدالباری



سوانح

تمہید آج جب ہم ہندوستان کو برکلے سے روشناس کر رہے ہین، تو یہ اپنے حالات اور تاریخی نوعیت کے لحاظ سے بہت کچھ اُس دور کے یورپ سے مِلتا جلتا ہے، جب برکلے ہستی مین قدم رکھنے والا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ بیسوین صدی کے ہندوستان کی طرح سترھوین صدی کا یورپ زندگی کے تمام جوانب اور شعبون مین اصلاح و تجدید کے لیے بیکل تھا؛ وہ مذہب، سیاست، تمدن اور علوم کے لباس کہن کے ایک ایک تار کو اپنے جسم سے جدا کر رہا تھا۔ پروٹسٹنٹ تحریک نے کیتھلک عقائد و اعمال سے عام بیزاری پیدا کر دی تھی۔ **پوپ** کا تختِ تسلط الٹا جا چکا تھا، جمہوریت پسندی پھیل رہی تھی، ایوانِ شخصیت کے ارکان متزلزل ہو چکے تھے، بری یورپ کی ۳۰ سی سالہ جنگ (۱۶۱۸ء تا ۴۸ء) اور انگلستان کی خانہ جنگی (۱۶۴۳ء تا ۴۸ء) مذہب و سیاست ہی کے اصلاحی مطالبات و مناقشات کے خونین مظاہر ہین۔ علوم کا بھی یہی حال تھا۔ حکمت (سائنس) کی متعدد نئی شاخین پیدا ہو چکی تھین، حکمیات قدیمہ کے بہتیرے مسائل و نظریات مین زمین و آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔ ہیئت کے انکشافات نے آفتاب کی جگہ زمین کو **متحرک** کر دیا تھا۔ **کششِ ثقل** کا عالمگیر قانون، جو تاریخ حکمت کا سب سے عظیم الشان انکشاف یقین کیا جاتا ہے، اسی صدی مین محقق ہو چکا تھا۔ برقی اور مقناطیسی تحقیقات سے عنقریب عالم جگمگا

اُٹھنے والا تھا۔

انقلاب انگیزی کی اس ہمہ گیر آندھی سے فلسفہ یا آلٰہیات کی فضا کیونکر غیر متاثر یا مستثنیٰ رہ سکتی تھی، چنانچہ اتنا شدید بھونچال آیا کہ جس شاہراہ پر طالیس ملطی سے لیکر ارسطو، ارسطو سے لیکر ڈیکارٹ اور ڈیکارٹ سے لیکر لاک تک چلتے آئے تھے۔ وہ دفعتہً پانون کے تلے سے نکل گئی۔ تاریخ فلسفہ کے اسی انقلاب اعظم کا علم بردار ہمارا ہیرو ہے۔

انسان کی زندگی کے قدرتی طور پر تین حصے ہین۔ لڑکپن یعنی نشو ونما اور تحصیل و اکتساب کا سن جس مین دوسرے حصہ کے لیے آدمی اپنے کو طیار و مستعد بناتا ہے۔ پھر جوانی، جو جہد و عمل کا عہد ہے۔ اور سب سے آخر بڑھاپا، جس کو انحطاط و عزلت کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے ہم برکلے کی حیات و حالات کو انھی تین قدرتی ابواب مین تقسیم کرتے ہین۔

۱۔ لڑکپن

۱۶۸۵ء تا ۱۷۰۰ء

جو لوگ اس حقیقت سے آشنا ہین، کہ بچہ پر اُسکی خاندانی روایات و ماحول اور سوسائٹی کے حالات و اطوار کا کیا اثر پڑتا ہے، اور یہ کہ اس کے مستقبل کے کارنامون کے اصلی اسباب و علل کی جستجو یہین کرنی چاہیے۔ ان کو یہ معلوم کر کے نہایت افسوس ہوگا، کہ برکلے کی زندگی کے اس پہلے ورق پر چند لکیرون سے زیادہ کچھ نہین نظر آتا۔ اور اسکی عمر کے ابتدائی پندرہ سال بالکل تاریکی مین ہین، قیاس و استنباط کی روشنی مین ان لکیرون سے جو کچھ پڑھا جاسکتا ہی وہ پیشکش ہے۔

نام و نسب — پورا نام جارج برکلے ہے۔ آئرلینڈ کے پایہ تخت ڈبلن سے تقریباً ۷۰ میل کے فاصلہ پر شہر ٹامس ٹاؤن کے پاس ڈائیسرٹ کیسل نامی ایک چھوٹی سی آبادی مین

۱۲ مارچ ۱۶۸۵ء کو پیدا ہوا۔ باپ کا نام ولیم برکلے ہی۔ **برکلے** ایک نہایت وسیع خاندان کا نام ہی، جس مین ارل برکلے، سر برکلے، لارڈ برکلے وغیرہ، خطابات نظر آتے ہین جس سے پتہ چلتا ہی کہ یہ خاندان بہت ہی بارسوخ اور معزز تھا، ولیم کا باپ غالباً جس وسیلہ سے اپنا آبائی وطن انگلستان چھوڑ کر آئرلینڈ مین آبسا، وہ یہ تھا کہ ۱۶۷۰ء مین اسی خاندان کا ایک رُکن **لارڈ برکلے آف اسٹرٹن** آئرلینڈ کا لارڈ لفٹنٹ یا وائسرائے ہو کر وہان گیا، ممکن ہی کہ ولیم لارڈ برکلے کا کوئی قریبی عزیز رہا ہو، لیکن بذات خود یہ معمولی حیثیت اور اوقات کا آدمی معلوم ہوتا ہی۔ اور یہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہین ہی، کیونکہ علم نے اپنے فرزندون کی تربیت کے لیے اکثر افلاس و بے نوائی ہی کی آغوش کو پسند کیا ہی، انسائیکلوپیڈیا برٹانکا مین لکھا ہی کہ یہ چُنگی مین ملازم تھا۔ بعد کو کچھ دن فوج مین بھی رہا۔ برکلے اپنے باپ کی سب سے بڑی اولاد ہی، پانچ بھائی اور ایک بہن اور تھی۔

برکلے کو آئرش فلسفی کہنا درست نہین برکلے علی العموم **آئرش** فلسفی کہا جاتا ہی لیکن یہ بالکل ایسا ہی ہی کہ کسی نووارد انگریز کا جو لڑکا یہان پیدا ہو، اس کو تم ہندوستانی کہدو، کیونکہ ولیم خود انگلستان نژاد تھا، اور برکلے کی پیدائش سے کل پندرہ سال پہلے نقلِ وطن کر کے آئرلینڈ چلا آیا، چنانچہ **مستفسر**[۱] مین ایک مقام پر اشارتاً یہ معلوم ہوتا ہی کہ خود برکلے اپنے کو **انگلش** مین سمجھتا ہی،

کلکنی کا اسکول دس برس کی عمر تک یہ مطلق نہین معلوم کہ برکلے کس حال مین رہا، کیا پڑھا، کس سے پڑھا۔ لیکن ۱۶۹۶ء مین جب یہ کلکنی کے اسکول مین داخل ہوتا ہی تو اس کا نام سکنڈ کلاس مین لکھا جاتا ہی۔ اس زمانہ مین سب سے نیچا کلاس پانچوان تھا۔ اس سے معلوم

[۱] برکلے کی ایک کتاب کا نام ہی جس کا ذکر آگے آوے گا اس مین استفسار ۹۱ و ۹۲ دیکھو فریزر جلد ۳

ہوتا ہی، کہ گھر پر اس کی تعلیم و تربیت کے ساتھ بے اعتنائی کا سلوک نہین کیا گیا تھا طبیعت
مین ایسی کم سنی ہی سے موجود تھی، ہر بات کو معمولی لڑکون کی طرح آسانی سے نہ قبول
کرتا ہوگا، نہ محض سُنی سنائی باتون کو بے بھاگتا ہوگا۔ چنانچہ خود تعلیقات[1] مین ایک جگہہ
لکھتا ہی "کہ مین آٹھ ہی برس کے سن سے بے اعتماد یا شکی تھا، اور اس لیے کہنا چاہیے
کہ بالطبع، ان جدید خیالات کی جانب رجحان و میلان کا مادہ موجود تھا" مزاج مین اسی قسم کا
شک یا بے اعتمادی اجتہاد اور حریت فکری کا سنگِ اساس ہی۔ اس لیے مجتہد دل و دماغ
رکھنے والون مین بچپن ہی سے اس کے آثار نمایان ہوجاتے ہین۔

کلکنی، برکلے کے مسقط الراس سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا پر فضا اور خوش
منظر شہر ہی، ۱۶۹۶ء مین جب یہان کے اسکول مین داخل ہوا، تو اسی سال ٹامس پرائر نام
کا بھی ایک لڑکا داخل ہوا، جس کے ساتھ غالباً نہایت دوستی اور محبت کے تعلقات،
اسی اسکول کی زندگی مین پیدا ہوگئے ہونگے، جو مرتے دم تک قائم رہے۔ یہان ولیم کے ہونہار
نونہال نے تقریباً ۴ سال بسر کیے، لیکن کیونکر اور کس طرح؟ یہ ہم کو بالکل نہین معلوم۔ یہ
تک تصریح کے ساتھ نہین ملتا کہ اُس نے اس اسکول مین کیا پڑھا، فرزیر نے قیاس سے
یہ لکھدیا ہی کہ لاطینی کی کتاب سمجھنے لگا ہوگا، اور شاید کچھ آسان کتابین یونانی کی بھی پڑھ
لیتا ہو۔ ریاضی سے بھی بالکل بیگانہ نہ رہا ہوگا۔

غارڈنمور — فرزیر نے ایک عجیب تناقض بیانی کی ہی کلکنی سے ۴ میل کے فاصلہ پر
غارڈنمور کے نام سے کسی پہاڑی مین ایک نہایت تجسس انگیز اور حیرت افزا غار ہی برکلے
کی متجسس طبیعت اس کو بغیر دیکھے کیونکر مان سکتی تھی۔ اس نے اُس کو اچھی طرح دیکھا، اور ۷ برس کے

[1] یہ برکلے کی یادداشتون کا مجموعہ ہی۔ اُس کا بھی ذکر آگے آتا ہی۔

بعد محض یاد سے اس کا مفصل بیان قلم بند کیا۔ جو فریزر نے سوانح و مکاتیب کے ساتھ چھاپ دیا ہی۔ اور فٹ نوٹ مین لکھا ہی کہ "اسکی تاریخ تحریر نہین دی ہوئی ہے، کالج کی زندگی مین کسی تعطیل مین برکلے نے اسکو دیکھا ہوگا، مگر شروع مین جہان کلکنی کے حالات لکھ رہا ہی، لکھدیا ہی، کہ غالباً اُسی زمانہ کے ایرھبیر مین برکلے نے غارِ ڈنمور کی سیر کی ہوگی" لیکن خود برکلے کا **بیان** غور سے پڑھنے کے بعد یہ امر قریباً پوری طرح صاف ہو جاتا ہی کہ ۱۷۱۳ء سے پہلے اس نے اسکو حوالۂ قلم نہین کیا ہی۔ کیونکہ ایک جگہ لکھتا ہی کہ "کون جانتا ہی کہ پرانے زمانہ مین آئرلینڈ والے اِس غار سے وہی کام لیتے ہون، جو روم اور نیپلس کے مصنوعی غارون سے وہان کے قدیم باشندے لیتے تھے" نیپلس وغیرہ کی سیاحت اُس نے ۱۷۱۷ء مین کی ہی۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہی کہ ان مصنوعی غارون کو دیکھکر، اور ایک فرنچ کتاب مین کسی اور غار کا حال پڑھ کر، جسکو یہ ڈنمور کے غار سے بہت مشابہ بتلاتا ہی، دفعتہً اُس کا ذہن سات سال بیشتر کے دیکھے ہوے غارِ ڈنمور کی جانب منتقل ہوا ہو، اور قدرتاً اس کو قلم بند کرنے کا جی چاہا ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہے تو کلکنی کے ۱۴ ۱۵ سال کے کمسن اسکولی بچہ نے اس ہیبت ناک غار کے دیکھنے کی ہمت نہین کی، بلکہ ۱۷۰۹ء مین ۲۵ سال کے سن مین ٹرنٹی کالج کے ایم اے اور **ڈیکن** برکلے نے اس کا مشاہدہ کیا۔

بہرکیف خواہ برکلے نے ڈنمور کے اس عجیب و غریب غار کو اسکول یا کالج کے عہدِ طالبعلمی مین دیکھا ہو یا اس کے بعد، لیکن اس سے اسکی غیر معمولی خواہشِ تحقیق و تفحص کا قطعی پتہ چلتا ہی، جو حالات اُس نے لکھے ہین وہ اِس بات کی کافی شہادت ہین کہ ہر معمولی ہمت و حوصلہ کے آدمی کا یہ کام نہین ہی۔ چنانچہ کچھ ساتھی مارے خوف کے

اتنے بے صبر ہو گئے کہ تھوڑی ہی دور تک اس کا ساتھ دیکر نکل آئے، لیکن اُس نے وہ سب کچھ دیکھا، جس کے بعد لکھتا ہے کہ " اگرچہ زمانہ کے فصل نے جو جو کچھ مین نے یہان دیکھا تھا اُن مین سے بہت سی چیزون کے صرف دھندھلے اور نا تمام نقش ذہن مین باقی رہنے دیتے ہین، لیکن اس عظیم اور محیر العقل غار کی دہشت خیز سنسانی ہیبت ناک تاریکی، اور بھیانک سناٹے نے، میرے حافظہ پر ایسے اثرات چھوڑے ہین جو کبھی محو نہین ہو سکتے، آگے چلکر اس کے اندر ایک چشمہ کے متعلق لکھتا ہے " لیکن جو چیز سب سے زیادہ حیرت مین ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ اس چشمہ کی تہ مردون کی ہڈیون سے بھری پڑی ہے " یہ سارا بیان نہایت دلچسپ ہے، لیکن خوفِ طوالت سے ہم صرف اس مختصر اقتباس پر قناعت کرتے ہین۔

ٹرنیٹی کالج ڈبلن ابھی سترھوین صدی کے اختتام مین کچھ مہینے باقی تھے کہ ہمارے فارڈلو کے مکتشف نے اپنی تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کر کے کلکنی سے ڈبلن کا رخ کیا، یہان پہنچتے ہی میٹریکولیشن پاس کر کے ٹرنیٹی کالج مین اعلیٰ تعلیم پر متوجہ ہوا۔

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ یورپ کی یونیورسٹیان ارسطو کی غلامی سے رہائی حاصل کر چکی ہین۔ مدرسیت کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ گلیلو، ڈیکارٹ، نیوٹن، لاک وغیرہ کے انکشافات و تحقیقات سرعت و قبول کے ساتھ گھر گھر پھیلتے جاتے ہین۔ خود ڈبلن کی یونیورسٹی مین جو قدامت پرستی کے لیے بدنام ہے، کہنا چاہیے کہ قدیم و جدید افکار کی معرکہ آرائیون کا آخری دنگل تھا، مشائیت اور مدرسیت شکست کھا کر اکھاڑہ سے نکل رہی تھی۔ ڈیکارٹ میلے برانکا، لیبنز وغیرہ کے نظریات اچھی طرح متعارف ہو چکے ہین، لاک کی کتاب فہم انسانی پر نہایت گرما گرم بحثین ہوتی ہین۔ یونیورسٹی اور اسکی دیوارون سے باہر ایک سے

زائد ارباب کمال موجود تھے۔ ڈاکٹر پٹیر براؤن جو فلسفہ کا نہایت ممتاز عالم تھا، اور لاک کا حریف نقاد خیال کیا جاتا تھا، ٹرینٹی کالج کا ناظم تھا، اور ڈاکٹر جان ہال جس نے برکلے کے دل مین ریاضی کا شوق پیدا کیا، نائب ناظم کی خدمت پر فائز تھا، ۱۷۰۳ء مین ولیم کنگ ڈبلن کا آرچ بشپ ہو کر آیا۔ یہ اپنے زمانہ کا نہایت مشہور متکلم تھا خیال کیا جاتا ہے کہ اسکی شخصیت کا برکلے پر کافی اثر پڑا ہوگا۔ چنانچہ بعد کی تحریرون مین ایک دوسرے کے بعض کلامی مسائل کے حوالے بھی ملتے ہین[۱]۔

غرض قدیم و جدید خیالات کی کشمکش اور ان اہل علم کی یکجائی نے برکلے کے ذہن کے ساتھ سونے مین سہاگے کا کام کیا ہوگا، لیکن جیسا کہ تم کو اوپر معلوم ہو چکا ہے، برکلے ازل سے بدگمان اور کاوش پسند دماغ لے کر آیا تھا، اِس لیے یہ ناممکن تھا، کہ ارسطو اور مدرسین کی عبودیت کے طوق کو اتار کر نیوٹن اور لاک کے غاشیہ بردارون مین شامل ہو جاتا، اس کے نزدیک اگر مشائیہ اور مدرسیہ کا فلسفہ و حکمت سرتا سر لفظون کا کھیل تھا، تو نشاۃ جدیدہ، اور اُسکے معاصر فلاسفہ اور حکما کے اصول و نظریات بھی ان خامیون سے پاک نہ تھے اس لیے اُس نے اپنا علم نصب کرنے کے لیے سب سے الگ میدان تلاش کیا۔

افسوس ہے کہ اسکی کالج کی متعلمانہ زندگی کے صفحہ پر بھی واقعات کی چند خشک تاریخون کے سوا روایتاً اور کچھ نہین نظر آیا۔ مارچ ۱۷۰۰ء کلکنی کے اسکول سے ٹرینٹی کالج آیا۔ میٹریکولیشن پاس کیا۔ ۱۷۰۲ء مین اسکالرشپ حاصل کیا۔ ۱۷۰۴ء مین بی اے ہوا ۱۷۰۷ء مین ایم۔ اے اور اسی سال جون مین فیلو منتخب ہوا۔ یہ ہے سات سال سے

۱؎ مزید تفصیل کے لیے خود فریزر دیکھو۔ سوانح و مکاتیب۔

زائد مدت کے واقعات کی کل کائنات، جو اٹھارھوین صدی کے فیلسوف اکبر کے سوانح نگارون نے ہمارے لیے مہیا کیا ہی، جس سے تشنہ کامون کے لب بھی نہین تر ہو سکتے۔

ہم کو یہ مطلق نہین معلوم، کہ وہ اپنی یومیہ زندگی کے ۲۴ گھنٹے کن کن مشاغل مین صرف کرتا تھا۔ کس قسم کے لوگون سے زیادہ ملتا جلتا تھا۔ عام عادات و اخلاق کیا تھے، اساتذہ اور ہمچشمون مین کس نظر سے دیکھا جاتا تھا، اسکول کا ساتھی ٹامس ریڈ بھی کالج ہی مین تھا، غالباً کچھ ہی آگے پیچھے آیا ہوگا۔ اور آیندہ کے تعلقات سے یہ خیال کیا جاسکتا ہی کہ نوخیز فلسفی کا یہی سب سے بڑا مونس اور بے تکلف دوست رہا ہوگا۔ ۲ سمہ کے اسکالرشپ سے معلوم ہوتا ہی کہ خارجی مطالعہ کے ساتھ کالج کے کام و امتحانات مین بھی اپنے ساتھیون پر سبقت و امتیاز رکھتا تھا۔

پھانسی کی آزمایش | اسی زمانہ کا ایک نہایت عجب قصہ بیان کیا جاتا ہی۔ جو بہ ظاہر نہ صرف مستبعد بلکہ ایک طرح کی جنون کاری نظر آتی ہی۔ لیکن سچ یہ ہی، کہ علم و تحقیق کے دیوانون سے کچھ بھی دور نہین۔ خصوصاً غارڈ منو رکے نڈر متجسس کی فطرت کے تو بالکل مطابق ہی بہرحال قصہ یہ ہی کہ پھانسی کی سزا دیکھنے کا اشتیاق اس کو ایک دن سیاستگاہ لے گیا، اس بے بسی کی مجرمانہ موت کے نظارہ کا، اُس پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ نہایت دل گرفتہ اور فکرمند لوٹا۔ ساتھ ہی یہ خیال ہوا، کہ خود آزمائش کرکے دیکھنا چاہیے کہ کیا احساس پیدا ہوتا ہی کوٹرینی نامی اپنے ایک بے تکلف دوست سے صلاح کی کہ آؤ ہم دونون تجربہ کرین۔ اور ایک اشارہ مقرر کرلیا کہ جس وقت وہ کیا جاے فوراً بند کھول دینا چاہیے، ہمارے انڈر گریجوایٹ اسکالر نے پہل کی، چنانچہ کوٹرینی نے اُسکو چھت مین باندھ دیا اور نیچے سے کرسی ہٹالی، نتیجہ یہ ہوا کہ اشارہ کا انتظار کیا جاتا تو چند لمحون مین تجربہ کے شیدائی کی روح پرواز کرجاتی۔ کوٹرینی نے

پھرتی سے گرہ کھول دی اور یہ بے حس وحرکت زمین پر گر پڑا۔ دیر کے بعد ہوش آیا۔ اب بھلا گونٹر ہینی کی کیا بساط تھی کہ وہ اپنے اوپر اس آزمائش کی ہمت کرتا۔

غالباً اسی طرح کے اور واقعات اس سے ظاہر ہوتے رہتے ہونگے۔ اور انھین کا یہ نتیجہ ہو گا، کہ کالج مین بعض لوگ تو اسکو عقل مجسم اور نہایت غیر معمولی انسان خیال کرتے تھے، اور بہت سے لوگ محض پاگل۔ یہانتک کہ جب کبھی یہ فکر و مطالعہ کے زاویہ سے باہر نکلتا تھا تو بعض شریر لڑکے آکر اس کو گھیر لیتے تھے، اور بہت بناتے اور دق کرتے تھے، اس نے ایک آدھ بار شکایت بھی کی لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ بلکہ جتنا یہ بھاگتا، اور بیزار ہوتا تھا، اتنا ہی وہ اور چھیڑتے تھے، اور یہ ذرا بھی تعجب انگیز نہیں۔ کیونکہ جن لوگون سے سوسائٹی مین عام روش کے خلاف کچھ بھی بیگانہ اور غیر معمولی عادات و اخلاق ظاہر ہوتے ہین اور جو ذرا بھی جماعت کی بھیڑ دن سے الگ چلنا چاہتے ہین اُن کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہی لیکن یہ سنگ اندازیان علم کے مجنون کو اُس کے جوش و انہماک سے نہیں باز رکھ سکتی تھین۔ وہ برابر اُسی دھن مین لگا تھا۔

کتاب تعلیقات

سات سال کے خارجی حالاتِ زندگی مین مذکورۂ بالا اعداد و سن کے علاوہ بس یہ ایک قصہ ہم کو اور معلوم تھا۔ لیکن اپنے ذہنی وارداتِ زندگی کی برکلے نے کہنا چاہیے کہ خود نوشتہ سوانح عمری ہمارے لیے چھوڑی ہی۔ جس سے نہ صرف اس کے خارجی احوال نگارون کی بے اعتنائی اور غفلت شعاری کی اشک شوئی ہو جاتی ہی بلکہ اس کمی کا وہ نعم البدل ہی۔ کیونکہ برکلے کی عظمت کا اصلی راز اُس کی حیات ذہنی ہی ہی۔

شاید کہ درین میکدہ ہا دریابیم   آن یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

یہ ذہنی سوانح ایک طرح کی یادداشتون کا مجموعہ ہی جن کا نام ہم تعلیقات رکھتے ہین۔

اسکی ضخامت تقریباً ۹۰ صفحے ہے، ان مین اُس نے ایک جگہ لاک کی موت کا ذکر کیا ہے جو ۱۷۰۴ء مین واقع ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گریجویٹ ہونے سے پہلے ہی ان یادداشتون کو اُس نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور پھر غالباً ۱۷۱۰ء مبادی کی تصنیف تک ان کا سلسلہ جاری رہا، ان تعلیقات کا مطالعہ متعدد حیثیات سے نہایت دلچسپ ہے، خصوصاً ان لوگون کے لیے جن کو فکری اور تصنیفی زندگی کا کچھ ذوق حاصل ہے،

اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، یا کسی کتاب کے پڑھتے وقت جو خیالات کسی مسئلہ کی نسبت ذہن مین خطور کرتے ہون گے وہ بلا کسی خاص ترتیب کے اس کتاب یادداشت مین مجتمع ہین۔ زیادہ تر ان کا تعلق علوم فلسفیہ کے مسائل سے ہے، مثلاً روح، زمان مکان، خدا، مادہ اسکے صفات، وجود وغیرہ، ریاضیات و علم المرایا اور کہین کہین فلسفہ طبعی کے مباحث سے متعلق بھی اشارات ہین کلام و اخلاقیات پر بھی کافی ذخیرہ ہے۔ لیکن حقیقت مین یہ سارا مجموعہ وہ میگزین ہے جس کے ذریعہ سے ۱۷۱۰ء مین ہمارا نوجوان فلسفی مادیت کے اُن استحکامات کو زمین دوز کر دینا چاہتا تھا جنکی طرف ڈھائی ہزار سال کی مدت مین فلسفہ و حکمت کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت نے بھی نظر اُٹھا کے دیکھنے کی جرأت نہ کی تھی، یعنی مرکزی حیثیت سے یہ تمام تعلیقات نظریۂ رویت اور مبادی علم انسانی[1] کا مواد و مصالحہ ہین، چنانچہ جابجا یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ فلان خیال کو کتاب کے فلان حصہ مین رکھنا یا استعمال کرنا چاہیے، بہت سے ایسے جملے اور عبارتین ملتی ہین جو بعینہٖ مبادی مین منقول ہین۔

دور جدید او راپنے عصر کے تمام حکما اور فلاسفہ سے اچھی طرح واقف نظر آتا ہے۔

---

[1] اِن دونون کتابون کا مفصل ذکر آگے آوے گا۔

مشاہیر علماے ریاضیات کے بہ کثرت نام ملتے ہین۔ مثلاً ہیلے[1]، ڈیرنگ، ولیس، کولیرس، بلی کیل وغیرہم۔ باقی ڈیکارٹ، نیوٹن اور ہابس کی تحقیقات کا تو پورا علم رکھتا ہی اور لاک کا تو کہنا چاہیے کہ متعلم ہی ہی، ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اسکی کتاب فہم انسانی کو حرف حرف پڑھا ہی اور کچھ عجب نہین کہ ایک سے زائد بار پڑھا ہو۔ قدم قدم پر اس کا نام اقتباسات اور حوالے آتے ہین۔ اسپنوزا اور ہیلے برانکا سے بھی آشنا ہی لیکن ان کی اس کے ذہن مین کچھ خاص وقعت نہین معلوم ہوتی،

بالعموم سوانح نگارون نے یہ لکھدیا ہی کہ مبادی، بلکہ مکالمات ہائلس کے زمانہ تصنیف تک برکلے قدما، یعنی یونانیون اور مدرسیہ سے برائے نام ہی واقف ہی لیکن یہ بیان بہت زیادہ مبالغہ آمیز ہی۔ اس مین شک نہین کہ مکالمات السیفارن لکھتے وقت (سنہ ۲۹ تا سنہ ۳۲) اس کا مطالعہ اور اسکی نظر بہت زیادہ وسیع ہی، لیکن علاوہ اور قرائن کے ان تعلیقات کے پڑھنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہی کہ مبادی کا مصنف بھی یونانین اور مدرسین سے خاصی واقفیت رکھتا ہی ایک سے زائد جگہ ارسطو کا ذکر ہی بیگانہ وار نہین بلکہ آشنا کی طرح۔ اپیکورس اور اُسکی بلند بانگ مادیت سے بھی خبردار ہے زینو کا اگرچہ نام نہین لیکن افکار حرکت کا تصریح کے ساتھ حوالہ ہے۔ حکیم اقلیدس اور ارشمیدس[2] تک کا علم رکھتا ہی اور مدرسیہ سے اس کو قلیل الواقفیت کہنا تو نہایت عجیب ہی تم کو خود مبادی

---

[1] ہیلے وہی مشہور عالم ہیئت و ریاضی ہی جسکے نام سے سنہ ۱۶۸۲ کا دمدار ستارہ مشہور ہی۔ ڈیرنگ ریاضیات کا وہ جید عالم ہی جس سے بلند پایہ صرف نیوٹن خیال کیا جاتا ہی سنہ ۱۷۰۳ مین مرا۔ کولیرس ولی اٹلی اور فرانس کے نامور علماے ریاضی ہین جان کیل کی نسبت خیال کیا جاتا ہی کہ سب سے پہلا شخص ہی جس نے نیوٹن کے اصول کی تعلیم و تائید تجربات سے کی سنہ ۱۷۲۱ مین مرا۔

[2] ارشمیدس یونان کا سب سے بڑا عالم ریاضیات، ہیئت وغیرہ کے متعدد آلات کا موجد تھا۔

ہی کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ مدرسیت کی حقیقت کو اس سے بہتر شاید ہی کسی نے سمجھا ہو، ہان یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اِن ہوائی قلعہ بندون کے نامون کا حافظ نہ ہو۔ لیکن اِس حقیقت سے کامل طور پر آگاہ ہے کہ ان کا فلسفہ لفظون کا طلسم ہے، البتہ یہ امر موجبِ حیرت ہے کہ یونانیون مین فلاطون اور سوفسطائیہ سے ابھی وہ بالکل لاعلم معلوم ہوتا ہے۔

انھی تعلیقات مین ایک علمی مجلس کے قیام کا دستور العمل بھی شامل ہے۔ یہ ہفتہ وار صحبت کہنا چاہیے کہ برکلے ہی کے جوش و تحریک کا نتیجہ تھی، جو جنوری ۱۷۰۶ء مین قائم ہوئی، اسکو ایک طرح کی پرائیویٹ صحبت سمجھنا چاہیے، جس کے ممبر ۱۰ سے زیادہ نہ تھے اور یہ غالباً اسی کے ہم مذاق رفقائے کالج رہے ہونگے، اس مجلس کا مقصد فلسفۂ جدیدہ کے بعض مسائل پر بحث و گفتگو تھا۔ مجلس کی اہمیت اور اُسکے بانیون کی رفعت ذہنی اور بلند خیالی کا اسکی اُس ایک دفعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے "کہ جب مجلس کے مقررہ موضوع پر اچھی طرح سے گفتگو ہو لے، تو پھر ممبرون کو اختیار ہے کہ کسی اور شعبۂ حکمت سے متعلق اپنے مخصوص اجتہادات، نئے افکار یا ملاحظات مجلس کے روبرو پیش کرین"۔ اِس صحبت مین بھی غالباً لاک ہی کے نظریات سب سے زیادہ زیر بحث رہتے ہون گے۔

اب ہم تعلیقات، کے ایک اقتباس پر اس دورِ زندگی کو ختم کرتے ہین، جو ہمکو شروع ہی مین پانچوین یا چھٹے صفحہ پر ملتا ہے اور جو ہمارے مجتہد اعظم کی فکری زندگی کا دستور العمل (ماٹو) ہے، اور جس کے بغیر کسی شخص کو بھی اختراع و اجتہاد کا شرف نہین حاصل ہو سکتا۔ یہ اسی فطرت کا ارتقا ہے جس کے آثار ہمارے ٹرینٹی کالج کے فیلو کو اپنے اندر آٹھ ہی سال کے سن سے نظر آتے تھے اور جنکو یہ اپنے مزاج کی بے اعتمادی یا شکی پن سے تعبیر کرتا ہے۔ ... وہ پہلے ہی سے آگاہ ہے کہ اپنے اجتہادات کے اعلان کے بعد عصبیت و تقلید

کے علاموں کی بارگاہ سے اسکو کیا کیا القاب ملین گے، یہ لوگ کہین گے کہ "مین نوجوان ہون، مین نوخیز ہون۔ مین مدعی ہون۔ مین خودپسند ہون۔ بہتر ہی سب کچھ صحیح۔ مین تمام اُن پرتحقیر اور تشنیع آمیز گالیون اور القاب کو نہایت صبر سے برداشت کرنے کی کوشش کرون گا، جو کسی انسان کا غیظ و غرور اختراع کرسکتا ہی۔ لیکن مین جانتا ہون کہ ایک بات کا مین کسی طرح بھی مجرم نہین ہون۔ یعنی مین اپنے اعتقاد کو کسی بڑے آدمی کے دامن سے وابستہ نہین کرتا۔ مین تعصب و تقلید سے کوئی بات نہین کہتا مین کسی خیال پر صرف اس لیے نہین اُڑتا کہ وہ قدیم ہی مسلم ہی اور رائج ہے، یا اسکے مطالعہ اور تحقیق پر مین نے بہت زیادہ وقت صرف کیا ہی۔"

ذہنی زندگی کا ماٹو

۲۔ عہد جہد و عمل

(۱۷۰۷ تا ۱۷۳۴)

۱۷۰۷ء کی ۱۲ مارچ کو برکلے نے اپنی عمر کے ۲۲ سال پورے کرکے تیئسوین مین قدم رکھا اور پہلی ہی سہ ماہی کے لگ بھگ جون مین ایم اے اور فیلو ہوا جسکے ساتھ ہماری تقسیم کی رو سے اُس کی زندگی کا پہلا باب بند ہوتا ہی۔ اور اب ہم اس دور مین داخل ہوتے ہین جسکو انسانی حیات کا حاصل سمجھنا چاہیے۔ اسی دور کے ابتدائی تین سالون کا کارنامہ ہمارے اس ٹرنیٹی کالج کے ایم اے اور فیلو کی فلسفیانہ عظمت کا ضامن ہی۔ یون تو یہ ایم اے ہونے سے چند دن قبل ہی ۱۷۰۷ء کے اوائل مین ٹرنیٹی کالج کے بی اے کے پردہ مین حساب الجبرہ پر لاطینی زبان مین دو چھوٹے چھوٹے رسالہ لکھکر گم نام شائع کراچکا تھا۔ اور اس طرح کہنا چاہیے کہ بائیس ہی برس کے سن مین مصنفین کی صف مین شامل ہوچکا تھا۔

لیکن حقیقت مین جس چیز نے برکلے کو برکلے بنایا اور جس کے بغیر ان لاطینی رسائل کا

کوئی نام بھی نہ جانتا، وہ ۹ء اور ۱۰ء کے تصنیفی کارنامے ہین جن کا مواد گریجویٹ ہونے کے بہت پہلے سے پک رہا تھا، اور تعلیقات مین منتشر طور پر یادداشتون کی صورت مین جمع تھا، ایم اے ہوتے ہی یہ ان تعلیقات کو مرتب و مدون کرنے کی ادھیڑبن مین لگ گیا ہوگا۔ اور غالباً ۸ء مین یا اس سے بھی پہلے پریس مین دینے کی نیت سے مفصلاً ترتیب وار لکھنا شروع کر دیا ہوگا۔ لیکن قطعیت کے ساتھ تدوین و تحریر کی مدت کے بارے مین کچھ نہین کہا جا سکتا۔

جدید نظریہ رویت

بہرکیف ۹ء کے آغاز مین **جدید نظریۂ رویت** کے عنوان سے اُس نے اپنے مکمل فلسفہ کا ایک رُخ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس مین خصوصیت کے ساتھ محسوسات بصر سے بحث ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آنکھ سے بجز رنگ اور روشنی کے اور کسی چیز کا احساس نہین ہوتا۔ شکل و صورت امتداد و فاصلہ وغیرہ کو محسوسات بصر مین داخل کرنا غلطی ہے۔ یہ تحقیق اگرچہ برکلے کے اصلی فلسفہ کی صرف تمہید تھی۔ لیکن بجائے خود نفسیاتِ حواس اور مرئیات (آپٹکس) کا ایک ایسا عظیم الشان اکتشاف تھا جس نے علم النفس اور علم المرایا کی تاریخ کا نیا دور شروع کر دیا۔ اور برکلے کا نام تاریخِ فلسفہ کے ساتھ تاریخِ حکمیات (سائنس) کی بھی ایک غیر منفک کڑی بن گیا۔ اس کتاب نے اس قدر لوگون کی توجہ کو کھینچا کہ اسی سال دوسرا اڈیشن چھاپنا پڑا۔ اور مصنف کی اتنی ہمت بندھی کہ

مبادی

۱۰ء ہی مین، جبکہ اسکی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی، اپنا مکمل اور اصلی فلسفہ **مبادی علم انسانی** کے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا ماحصل اور نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ انسان کے **ذہن یا روح** سے باہر ایک ذرہ کا بھی وجود نہین۔ مادہ فقط ایک بے معنی لفظ ہے۔ زمین اور آفتاب، چاند اور ستارے، دریا اور پہاڑ، باغ اور درختون کی ہستی

اور حقیقت اُن ذہنی احساسات کے ماسوا کچھ نہین جنکو غلط فہمی سے موجودات خارجی کا مثلنی یقین کیا جاتا ہی۔ جن چیزون کو ہم موجودات خارجی کے نام سے پکارتے ہین وہ دراصل صرف ہمارے ذہنی ارتسامات و نقوش ہین جنکو براہ راست ہر وقت ایک برتر روح (خدا) اپنے یدِ قدرت سے ہمارے ذہن پر منقش کرتی رہتی ہی۔ خلاصہ یہ کہ محض نفس یا روح کا وجود ہی۔

مبادی کے ساتھ معاصرین کی بے اعتنائی

یہ فلسفہ کے حرم (مادہ) پر گولہ باری کی ایسی شدید گستاخانہ جرأت تھی جو اسکے پرستارون کے دل مین غضب کی آگ اور تحقیر و نفرت کے جذبہ کے علاوہ کچھ نہین پیدا کر سکتی تھی چنانچہ عوام کا تو کیا ذکر خود علمائے کلام و فلسفہ کے حلقون مین اس ادعا کو دیوانے کی بڑ سے زیادہ وقعت نہین دیگئی بلکہ شروع شروع مین تو اس آواز کی سماعت تک کانون کو گران تھی۔ اس کے علاوہ غالباً برکلے کی کم عمری اور معاصرانہ لاگ نے بھی ایسے مجتہدانہ اور انقلاب انگیز خیال کی جانب لوگون کو اعتنا کرنے سے باز رکھا ہوگا، کچھ بھی ہو، جب اسکو ڈبلن و آئرلینڈ مین کوئی داد نہ مل سکی تو وطن کی قدر دانی سے مایوس ہوکر لندن کے بعض مشاہیر کو مبادی کا ایک ایک نسخہ بھیجا۔ یہان بھی بالعموم تو وہی سلوک[1] ہوا۔ لیکن پھر بھی اُس کو بہت غنیمت جاننا چاہیے کہ یہان بعضون نے اُسکو نہ صرف توجہ کے ساتھ پڑھنا روا رکھا، بلکہ اس قابل سمجھا کہ کوئی چوٹی کا شخص اس کا جواب دے، چنانچہ وسٹن جو اس زمانہ مین بہ حیثیت ریاضیات کے پروفیسر کے سر اسحٰق نیوٹن کا کیمبرج مین جانشین تھا، اور برکلے سے غالباً چند ہی مہینے پہلے مرا، لکھتا ہی کہ مسٹر برکلے نے ڈبلن مین سنہ مین اپنا یہ الہیاتی نظریہ شائع کیا کہ مادہ کوئی حقیقی شے نہین ہی۔ اتنا ہی نہین

[1] تصنیفات کے ذیل مین مبادی کے ذکر مین برسیول کا خط پڑھو۔

بلکہ یہ کہ اسکی حقیقت کا عام اعتقاد اگر مضحکہ خیز نہین تو بے بنیاد تو قطعاً ہی۔ موصوف نے عنایت سے ڈاکٹر کلارک اور مجکو اس کا ایک ایک نسخہ بھیجا۔ جب ہم دونون اس کو پڑھ چکے تو مین ڈاکٹر کلارک کے پاس گیا اور اس پر گفتگو کر کے یہ کہا، کہ مین الٰہیات پر عبور نہ رکھنے کی وجہ سے، مسٹر برکلے کے استدلال کے دقیق مقدمات کا جواب نہین دیسکتا، گو کہ مین اس کے (مہمل) نتیجہ کو نہین تسلیم کرتا۔ لہٰذا میری خواہش ہی کہ آپ جو ان دقائق کے تہ رس ہین اور مسٹر برکلے کے نتیجہ سے متفق نہین معلوم ہوتے، جواب لکھین۔ اس سے ڈاکٹر کلارک نے انکار کیا[1]"

برکلے کی ذات مین مذہب و فلسفہ کا دوش بدوش اجتماع

بالعموم لوگون کے دلون مین یہ بات جمی ہوئی ہی کہ فلسفہ اور مذہب مین قدیم سے ان بن ہی اور ایک کو دوسرے سے وہی بیر ہی جو آگ کو پانی سے ہی، اسی کا اثر ہی کہ فلسفہ اور فلسفی کے لفظ مین مذہب سے بیزاری اور بیگانگی کا مفہوم التزاماً داخل ہو گیا ہی، لیکن اگر تاریخ فلسفہ کو سامنے رکھکر استقصا کیا جائے تو اغلباً ایسی مثالین بہت زیادہ نکلین گی جنمین فلسفہ اور مذہب دوش بدوش رہا ہی۔ برکلے بھی اسی غالب تعداد کا ایک نمایان رکن ہی۔ وہ اس حقیقت کا قائل ہی کہ اگر فکری رفعت و مسرت کا مبدء حکمت و فلسفہ ہی تو اخلاقی اور اجتماعی سعادت کا سرچشمہ مذہب و تدین[2] ہی، چنانچہ جہان اس کا دماغ حکیمانہ افکار سے لبریز ہی وہان اس کا ہاتھ انجیل سے مشغول ہی۔ اسکی شخصیت کلیسا کے منبر پر نظریہ جدیدہ و مبادی کے صفحات سے اتنی مختلف نظر آتی ہی کہ یہ باور کرنا دشوار ہو جاتا ہی کہ یہ وہی برکلے ہی۔ اسکے وعظون کی بنیاد تمام تر انجیل کی آیات پر ہوتی ہی۔

[1] یہ پوری عبارت فریزر نے یادگار کلارک، مصنفہ وسٹن کے حوالہ سے نقل کی ہی۔ سیمول کلارک اپنے زمانہ کا نہایت نامور عالم فلسفی متکلم اور ریاضی دان ہی۔ برکلے نے خود مبادی مین ایک جگہ اس کی جانب اشارہ کیا ہی۔

[2] اطاعت غیر مقاومانہ اور مقالہ بنام حکام وغیرہ پڑھو۔

اُسکی تلقینات کتاب مقدس کے اقتباسات سے پُر اور مذہبی رنگ مین ڈوبی ہوئی ہوتی ہین - ہم خوفِ طوالت سے یہان کوئی حصّہ نہین نقل کر سکتے - لیکن انگریزی دانون کیلیے ان وعظون کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا -

تدریسی اور کلیسیائی خدمات | اتفاق کی خوبی دیکھیے کہ زندگی کے یہ دونون پہلو خارجی واقعات مین طابق النعل بالنعل ہین - نظریہ جدید کے نکلنے سے کچھ ہی قبل اِس کا مصنف یکم فروری ۱۸۵۹ء کو اپنے ہی کالج کے کلیسا کا ڈیکن مقرر ہو چکا ہے - اس مذہبی عہدہ کا کام طلبائے کالج کو وعظ و تلقین تھا باقاعدہ اس فرض پر مامور ہونے سے پہلے بھی یہ اس خدمت کو انجام دیتا ہوگا - چنانچہ جو وعظ اسکے فریزر نے جمع کیے ہین ان مین سب سے پہلا جنوری ۱۸۵۸ء کا ہی اور غالباً اُس کے ذاتی ہی شغف و میلان مذہبی کو دیکھکر اس کو مناصب دینیہ کی ابتدائی عزت دی گئی ہوگی جہان سے یہ بڑھتے بڑھتے آخر کار بشپ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوا پھر ۱۸۶۰ء مین سب لکچرر نامزد ہوا - جو تدریسی عہدہ تھا، اور ساتھ ہی ساتھ اسی سال نومبر مین جونیر ڈین کا رتبہ حاصل ہوا جو ڈیکن سے بلند ہی - دو سال کے بعد ۱۸۶۲ء کے نومبر مین یونانی زبان کا جونیر لکچرر مقرر ہوا - جو اس بات کا ثبوت ہی کہ وہ یونانی کا اچھا خاصا ماہر تھا - لاطینی پر تو اس کو اتنا عبور تھا کہ اس مین ایک سے زائد کتابین لکھین - اُسنے ان قدیم زبانون کو اسطرح نہین پڑھا جس طرح ہمارے کالجون مین طلبہ عربی فارسی زبان ثانی پڑھتے ہین جس سے بجز امتحان پاس کرنے کے اور کوئی کام نہین لے سکتے - ان تمام تدریسی اور کلیسائی خدمت سے فریزر کے بیان کے مطابق تقریباً ۸۰ پاؤنڈ سال کی آمدنی تھی جو موجودہ سکہ کی دو ڈیڑھ سو پاؤنڈ کے لگ بھگ ہوتی ہی -

غرض ایم اے ہونے کے بعد سے ۱۸۶۳ء کے اوائل تک تقریباً چھ سال کا زمانہ

ان تدریسی اور کلیسائی فرائض منصبی کی انجام دہی اور مطالعہ و تصنیف کے خالص علمی مشاغل مین بسر ہوا۔ اس مدت کو اسکی خاموش اور بے خلل عالمانہ زندگی کا عہد سمجھنا چاہیے جو پھر سولہ برس کے بعد وہائٹ ہال مین جاکر نصیب ہوا۔ فریزر کی تحقیقات کے بموجب اسی عرصہ مین ۱۷۱۳ء مین چند دن کے لیے تبدیل آب وہوا اور بعض دوسرے اسباب سے یہ انگلستان گیا، جسکی بابت ہمکو کچھ اور تفصیلی حال نہین معلوم۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے آئرلینڈ سے باہر قدم نکالا۔

اطاعت غیر مقادمانہ پر وعظ

۱۷۱۱ء مین جونیر ڈین کی حیثیت سے اُس نے کالج کے کلیسا مین **غیر مقاومانہ اطاعت** پر تین وعظ کہے تھے جنکی بنیاد انجیل کی ان آیات پر ہے کہ "جو آدمی **طاقت** کی مقاومت کرتا ہے وہ خدا کے حکم کی مقاومت کرتا ہے" اور "تو فسق و فجور کا مرتکب نہ ہونا، تو جھوٹی قسم نہ کھانا، تو اعلی **طاقت** کی مقاومت نہ کرنا"۔ ان آیات سے عیسائی وہی کام لیتے ہین، جو مسلمان اولی الامرِ منکم سے۔ اگرچہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد سے انگلستان مین شاہی اقتدار اور شخصیت کا کہنا چاہیے خاتمہ ہوچکا تھا لیکن **ٹوری** اور **وِگ** نام سے جو دو جماعتین پیدا ہوگئی تھین جنکو ہم علی الترتیب **شاہ پسند** اور **آئین پسند** کہہ سکتے ہین، اور وہ کسی نہ کسی صورت مین باقی چلی آتی تھین، اور ابتک قائم ہین، ان مین سے کبھی ایک برسراقتدار رہوجاتی تھی اور کبھی دوسری ۱۷۱۱ء مین ملکہ **این** کی حکومت کا آخر زمانہ تھا، اور شاہ پسندون کا دور دورہ تھا۔ لازمًا ان وعظون سے یہ افواہ پھیل گئی کہ برکلے اِس جماعت کا حامی اور طرفدار ہے، اسی افواہ کی تردید کے لیے ۱۷۱۲ء مین اُسنے اِن تینون خطبات کو ایک چھوٹے سے رسالہ کی شکل مین شایع کردیا۔ لیکن جو خیال دلون مین جم گیا تھا اس کا نکلنا آسان نہ تھا، چنانچہ اس کی بدولت، جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا، اُس کو تھوڑا سا نقصان بھی

اُٹھانا پڑا۔ آج کل جبکہ شخصیت اور استبداد کے خلاف بات بات پر علمِ بغاوت بلند کردینا حریت و آزادی کا شعار خیال کیا جاتا ہی، اِن خطبات کا پڑھنا حیرت و دلچسپی سے خالی نہوگا، اپنے قارئین کے استعجاب کے لیے اِس رسالہ کے 'تعارف' کی چند سطرین ہم یہان اقتباس کیے دیتے ہین۔

"... یہ امر کہ کسی سیاسی طاقت کی علی الاطلاق غیر مقاومانہ اطاعت نہین جائز ہی بلکہ کسی حکومت کی فرمانبرداری سوسائٹی کی عام فلاح کے ساتھ مشروط و محدود ہونی چاہیے اور اسی لیے جب عامۂ خلق کی بہبود کے لیے علانیہ طور پر ضرورت محسوس ہو تو رعایا جائز طور پر حکمران قوت کے خلاف مقاومت کرسکتی ہی، اتنا ہی نہین بلکہ ایسا کرنا ان پر اجب ہے، کیونکہ رفاہ عام کی ترقی تمام لوگون کا ناگزیر فریضہ ہی۔ یہ اور اِس قسم کے خیالات جنکو مین بنی نوع انسان کے لیے تباہ کن اور عقل سلیم کے قطعاً مخالف خیال کیے بغیر نہین رہ سکتا، گذشتہ چند سالون سے ملک کے قابل و تعلیم یافتہ گروہ کی جانب سے نہایت مستعدی کے ساتھ پھیلائے جارہے ہین اور انتہائی فوائد کی روشنی مین پیش کیے جاتے ہین، لہذا یہ ضروری معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کے نوجوانون کو ان کے خلاف مسلح کردیا جائے اور اِس بات کا اہتمام رکھا جائے کہ وہ جب دنیا مین داخل ہون تو صحیح اور عمدہ اصول کی رہنمائی مین داخل ہون۔ میرا یہ منشا نہین کہ کہ وہ اندھے پن سے کسی ایک خاص گروہ کے ساتھ متعصب ہوجائین، بلکہ صرف یہ کہ شروع ہی سے وہ اپنے فرض اور اُس کے روشن اور عقلی دلائل سے آشنا کرکے ایسے اعمال کے لیے مستعد و مضبوط بنادیے جائین جن سے وہ پورے عیسائی اور اطاعت شعار رعایا معلوم ہون"

اِس مسیحی یا سیاسی عقیدہ کے خطا و صواب سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے

خارج ہی۔ لیکن اتنا بغیر کہے نہین رہ سکتے کہ استدلالی حیثیت سے یہ خطبات نظریہ جدید اور مبادی کے مصنف کی شان سے بہت پست اور کم رتبہ ہین، ان چند بندون کو چھوڑ کر جن مین ضمناً اس نے اپنے فلسفۂ اخلاق کا ذکر کیا ہی اور جو ایک طرح کی مذہبی افادیت ہی۔ جس سے ہم کسی دوسرے موقع پر تفصیلاً بحث کرین گے باقی سارا رسالہ سقیم اور مغالطہ آمیز دلائل سے بھرا ہی، اسی کا یہ نتیجہ ہوا ہی کہ آخر مین اعتراضات کا جواب دیتے ہوے کہنا چاہیے کہ اضطراراً سپر افگندہ ہو جانا پڑا ہی۔

سفر و سیاحت ١٧١٣ء سے لیکر ١٧٣٤ء تک بیس سال سے زیادہ کا زمانہ وطن سے باہر انگلستان، فرانس، اٹلی، اور جزیرہ رہوڈ وغیرہ کی سیاحی مین بسر ہوا۔ اس مدت مین کل ڈھائی تین سال کے لیے بیچ مین بر کلے آئرلینڈ گیا، باقی ساری مدت تھوڑے وقفون کے ساتھ سفر مین گذری۔ غالباً فروری یا مارچ ١٧١٣ء مین یہ لندن پہونچ گیا۔ یہان آنے کے متعدد محرکات قیاس کیے جاتے ہین، مثلاً علمی حوصلہ مندیان، سیر و سفر کا شوق اصلاح صحت وغیرہ لیکن حقیقت یہ ہی کہ جب آدمی کوئی نمایان اور ممتاز کام کرتا ہی تو قدرتاً اسکو خواہش پیدا ہوتی ہی کہ باہر نکلے اور لوگون سے مِل جُل کر دیکھے کہ اُس کی نسبت کیا خیالات رکھتے ہین اس کیونکر پیش آتے ہین۔ اس کے کارنامون کی کیا وقعت ہی۔ یہ ایک ایسی فطری خواہش ہی جس سے زاہد و صوفی، حکیم و فلسفی کوئی خالی نہین ہو سکتا، البتہ اکثر یہ تحریک اتنی مخفی ہوتی ہی کہ آدمی کو خود شعور نہین ہوتا۔ ٹرینٹی کالج ڈبلن کی چار دیواری اس جذبہ کی تسکین بخشی کے لیے اب بہت تنگ تھی مصنفِ مبادی کی حوصلہ مندانہ آرزون کے لیے وسیع تر میدان درکار تھا۔ لندن ہر قسم کے اربابِ کمال اور زندگی کی جولانیون کا مرکز تھا۔ بس اصل مین یہی پنہان لیکن قوی محرک تھا، جو لندن کھینچ لایا۔ باقی صحت وغیرہ زیادہ سے

زیادہ اس اصل محرک کے تائیدی اسباب قرار دیے جاسکتے ہین۔

لندن مین مشاہیر سے ملاقاتین | چنانچہ لندن پہنچتے ہی وہ تمام مشاہیر سے ملنے جلنے مین مصروف نظر آتا ہی، جناتھن سوفٹ جسکی کتاب گلیورس ٹراول سے اسکول کا ہر لڑکا واقف ہے، سیاسی اور علمی دونون حلقون مین ایک بارسوخ شخص تھا، اور برکلے کو ٹرینیٹی کالج ہی کے زمانہ سے بخوبی جانتا ہوگا۔ اس نے غالبًا سب سے پہلے اُس کو لارڈ برکلے آف اسٹرٹین سے اُس کے عزیز کی حیثیت سے ملایا۔ پھر اور وزرا و امرا سے اُس کا تذکرہ کیا۔ اسکی کتابین اُنکو ہدیۃً دین۔ لارڈ برکلے نے اپنے اس قابل صد نازش عزیز کو بشپ اٹربری سے ملایا جو خود نامور اور ممتاز عالم تھا اور اس ڈبلن کے فلسفی کا پہلے ہی سے مشتاق تھا جب ہمارا برکلے اُٹھکر چلا آیا، تو لارڈ برکلے نے بشپ سے پوچھا، کہ آپنے میرے اس عزیز کو اپنی توقعات کے مطابق پایا۔ اُس نے نہایت حیرت سے اپنے ہاتھ اُٹھا کر کہا "کہ مین جب تک اس شریف انسان سے نہین ملا تھا، اس قدر عقل، اسقدر علم، اسقدر معصومیت، اور اس قدر تواضع کو صرف فرشتون کا حصّہ خیال کیا کرتا تھا"، اُسی زمانہ مین یہ مشہور شاعر پوپ سے ملا، اڈیسن سے بھی ملاقات کی جسکی شاعرانہ اور ادبی شہرت کا شباب تھا، اڈیسن ہی کے اشارہ سے برکلے اور سیمول کلارک (جسکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہین) کے مابین مباحثہ کی ایک صحبت قرار پائی جس کا نتیجہ کہا جاتا ہی، برکلے کی اس شکایت سے کچھ زیادہ نہ نکلا کہ "میرا حریف اگرچہ میرے دلائل کا جواب نہ دے سکا، لیکن انصاف و بے تعصبی کی اتنی جرأت نہ رکھتا تھا کہ اپنی تسکین یا شکست کا اعتراف کرلیتا"، اس قسم کی مناظرانہ گفتگو کو علمی جوش و اُمنگ کا ایک تماشہ سمجھنا چاہیے۔ ورنہ بحث و مباحثہ سے کہین لوگون کے عقائد و اذعانات بدلا کرتے ہین

آزاد خیالون کے خلاف گارجین مین مضامین | جس طرح ہمارے ملک مین جدید تعلیم و خیالات کے

اثر سے ایک گروہ پیدا ہوگیا ہی جو روشن خیال یا آزاد خیال کے لقب سے فخر اندوز رہی، اور جسکے نزدیک مذہبی دعاوی کی حقیقت ایک فسانۂ کہن یا عہدِ جہالت وتوحش کی یادگار سے زیادہ نہین۔ اِسی طرح علم وحکمت کی نئی نئی تحقیقات وانکشافات نے بعینہٖ اسی نوعیت کی ایک جماعت انگلستان مین پیدا کردی تھی، جو وحی والہام، حشر ونشر، روح وخدا وغیرہ کے اعتقادات کو محض حدیث خرافات جانتے تھے اور رسائل واخبارات مین انکی ہنسی اُڑاتے تھے۔ ان لوگون نے بھی اپنے لیے **آزاد خیال** کا نام اختیار کیا تھا۔ لندن مین ان کا نہایت زور شور تھا، برکلے کی دینی حمیت وغیرت بھلا اسکی کب روادار ہوسکتی تھی۔ اتفاق سے اسی ۱۳ء مین سر رچرڈ اسٹیل نے ایک نیا روزانہ پرچہ **گارجین** کے نام سے جاری کیا، ہمارے پرجوش مذہبی فیلسوف نے ان آزاد خیالون کے خلاف اس مین مضامین کا ایک سلسلہ شروع کردیا جو کئی مہینے تک جاری رہا، سب سے پہلا مضمون کولنس انتھونی کی تردید مین ہی جو اس طائفہ کا سرگروہ اور ارتیابی عقیدہ کا ایک مناقشہ پسند مصنف تھا۔ آزاد خیالی انسانی حریت، وغیرہ کے عنوان سے متعدد کتابین لکھی ہین۔ لاک سے اتنے تعلقات تھے، کہ مرتے وقت اپنی کچھ جائداد اُسکے لیے چھوڑ گیا، برکلے کے یہ تمام مضامین جنکی تعداد ۱۴ ہی تمثیلی استدلالات پر مبنی ہین۔ خطابیات اور انشا پردازی کا بھی کافی چٹخارہ ہی، بہ حیثیت مجموعی برکلے کی جانب ان مضامین کی نسبت سے اُسکی وقعت مین کچھ اضافہ نہین ہوتا، کہا جاتا ہی کہ ان مضامین کا وہ معاوضہ بھی لیتا تھا، جو فی مضمون ایک گنّی تھا، کوئی مضمون تین چار صفحات سے زیادہ کا نہین ہی، ہمارے ملک کے صحائف نگارون کو اس مثال سے ہمت حاصل کرنی چاہیئے۔

مکالمات ہِلس کی اشاعت لندن کے اُسی زمانۂ قیام مین برکلے نے **مکالمات ہا مین**

ہائلس وفلونس کے نام سے تین مکالمون کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ یہ مبادی کے فلسفہ وخیالات کی زیادہ عام فہم تعبیر تھی، تاکہ زیادہ وسعت سے ان کی اشاعت ہو چنانچہ نظریۂ رویت ومبادی دونون سے زیادہ اُن کو مقبولیت حاصل ہوئی، فریزر نے اسپر جو دیباچہ لکھا ہی اُس کا پہلا جملہ یہ ہی کہ "یہ کارنامہ انگریزی کے لٹریچر الٰہیات کا گوہر درخشان ہی، اسکی تیاری وترتیب مین غالباً برکلے ۱۲ھ مین یعنی لندن آنے سے پہلے ہی مصروف تھا۔ بس یہ آخری کتاب ہے جس کے بعد کہنا چاہیے کہ پھر قریباً ۱۶ سال کے لیے اسکی تصنیفی زندگی پیچھے بڑھ گئی۔

فرانس واٹلی | اسی ۱۳ھ کے نومبر مین لندن کے دربار کی جانب سے مورڈنٹ ارل آف پیٹر بورڈ سسلی کا سفیر مقرر ہوا۔ انگلستان کے عمائد وامرا کا یہ دستور ہی کہ وہ اپنے لیے ایک مخصوص پادری رکھتے ہین جو انکو اور انکے گھر والون کو گرجا کراتا ہی اور مذہبی فرائض انجام دیتا ہی اس پادری کو چیپلین کہتے ہین۔ سوفٹ کی سفارش سے مورڈنٹ نے ہمارے برکلے کو اپنا چیپلین، اور سکرٹری بناکر ہمراہ لیا۔ یہ قافلہ لندن سے سیدھا پیرس پہنچا، جہان سے ۲۵ نومبر کو برکلے اپنے کلکنی اور ٹرینٹی کالج کے پرانے یار ٹامس پرائر برکلے کے سب سے زیادہ خطوط اسی کے نام ملے ہین جن مین غایت محبت وبے تکلفی سے اس کو ڈیر ٹام سے مخاطب کرتا ہی، کو سب سے پہلے خط مین لکھتا ہی کہ "جب سے مین یہان آیا ہون، چرچ، خانقاہون، شاہی محلات، کالجون وغیرہ کے دیکھنے مین منہمک ہون۔ یہ عمارتین اس شہر مین نہایت کثیر التعداد اور شاندار ہین، ان کی عظمت وخوبی یقین سے باہر ہی"۔ اسی خط مین لکھا ہی کہ "کل فادر میلے برانکا سے ملکر بعض مسائل پر گفتگو کا ارادہ ہی" لیکن پھر غالباً مل نہین سکا۔ یہان سے تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد اٹلی کا رُخ کیا اور کوہ ایلپس کی

دشوار گذار راہ اختیار کی۔ طبیعت مین شوخی وظرافت کافی موجود ہی، خطوط مین واردات سفر نہایت دلچسپ انداز سے بیان کیے ہین۔ اٹلی مین داخل ہو کر شہر ٹیورن سے ۱۰ جنوری ۱۷۱۴ء کو پھر ڈیر ٹام کو لکھتا ہی "راہ بھر مین بس کل چار بار گھوڑے پر سے گر کر آخر صحیح وسلامت پہنچ گیا ہون، جس سے اس کے علاوہ کچھ نقصان نہین ہوا کہ تلوار، گھڑی اور نس کی ڈبیا ٹوٹ گئی۔ راہ کی ہیبت وخطرات بیان کرتے کرتے لکھتا ہی کہ "اب مین ہوا، موسم خشکی دریا بالا اور برف سے مقابلہ کرنے کے لیے مضبوط ہو گیا ہون" لیکن آگے چلکر لکھتا ہی کہ "میری نصیحت ہی کہ احباب سسلی جاتے ہوے کبھی الپس کی راہ نہ اختیار کرین"

سال بھر کے اندر پھر لندن واپس

اگست ۱۷۱۴ء مین دفعتہ ملکہ اینی کا انتقال ہو گیا۔ جارج نے تخت نشین ہوتے ہی ٹوری جماعت کے تمام وزرا و ارکان کو جو اسکی تخت نشینی کے خلاف تھے ایک ایک کر کے نکال دیا۔ اور اسی عتاب کی لپیٹ مین لارڈ مورڈنٹ بھی آگیا، اور پورا سال بھی نہونے پایا تھا کہ برکلے کو اپنے دلچسپ سفر سے اگست ہی مین لندن واپس آنا پڑا لیکن اُس نے دس مہینے کی مدت مین فرانس کے علاوہ جینوا، لگ ہارن وغیرہ اٹلی کے بہت سے مشہور مقامات کی سیر کر لی۔

کہا جاتا ہی کہ اسی زمانہ مین برکلے کے ایک لائق شاگرد مولی نیوکس نے جو اب شہزادہ ویلس کے سکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا، اپنے فلسفی اُستاد کو شہزادہ اور شہزادی سے ملا کر یہ کوشش کی کہ اسکو آئرلینڈ مین کوئی معقول کلیسائی منصب ملجائے، چنانچہ شہزادی نے آئرلینڈ کے لارڈ جسٹس گالوے سے سفارش بھی کی لیکن گالوے کے کانون مین اطاعت غیر مقاومانہ کے وعظون کی افواہ پڑ چکی تھی جسکی وجہ سے یہ برکلے کو مشتبہ نظر سے دیکھتا تھا، اور ٹوریون کا حامی سمجھتا تھا، مولی نیوکس نے اس شبہہ کو دور کرنے کی بھی کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہین

نکل سکا۔

| ۱۷۱۵ء مین فرانس و اٹلی کا سفر | ان چند مہینون کی سیر سے برکلے کے شوق سیاحت کی تسکین تو کیا |

ہو سکتی تھی بلکہ زندگی کے تازہ تجربات اور نئے نئے مشاہدات نے اس خواہش کو اور تیز کر دیا ہوگا۔ اتفاق یہ کہ اگلے ہی سال اس کے لیے ایک اور سامان پیدا ہو گیا۔ کلوگھر کا بشپ ڈاکٹر ایشے اپنے لڑکے جارج ایشے کو بری یورپ کی سیاحی کے لیے بھیج رہا تھا۔ برکلے سے خواہش کی۔ بہ حیثیت ٹیوٹر کے اُس کا ہمراہی قبول کرے، اگی یہ ۱۷۱۶ء سے لیکر ۱۷۲۰ء تک تقریباً پانچ سال باہر رہا، اور غالباً یورپ کے اکثر مقامات کی سیر کی ہو گی، لیکن ہمارے پاس فرانس اور اٹلی سے آگے بڑھنے کی کوئی قطعی شہادت موجود نہین ہی،

۱۷۱۵ء کی ۱۳ اکتوبر کو پیرس مین میلے برانکا مرا، اُسکی موت کے سبب ریب کی نسبت اسٹاک نے برکلے کی سوانح عمری مین ایک عجیب قصہ لکھا ہی جس کا ماحصل یہ ہی کہ برکلے اس سے ملنے گیا۔ یہ پھیپھڑے کے مرض مین مبتلا تھا، اور بیٹھا ہوا کچھ دوا پکا رہا تھا، باتین ہوتے ہوتے برکلے کے نظریہ پر گفتگو چھڑ ی مباحثہ کی گرما گرمی مین بوڑھے فلسفی نے اپنی آواز اتنی بلند کر دی اور اسقدر جوش سے بھر گیا کہ اسکی بیماری ترقی کر گئی جسکی بدولت چند ہی روز مین مر گیا۔

| روزنامچہ سیاحت | ۱۷۱۶ء تو اغلباً فرانس ہی مین ختم ہوا۔ ۱۷۱۶ء و ۱۷۱۹ء مین ہمکو بالکل نہین معلوم |

کہ وہ کہان رہا اور کیا کرتا رہا۔ باقی ۱۷۱۷ء اور ۱۷۱۸ء کا اکثر حصہ یقیناً اٹلی ہی مین بسر ہوا۔ یہان یہ اپنے واردات کا روزنامچہ نہایت اہتمام اور تفصیل سے قلم بند کرتا رہا لیکن افسوس ہی کہ اس مین سے باد حوادث نے، کہنا چاہیے، صرف چند اوراق ہمارے لیے چھوڑے ہین لیکن ؎

قیاس کن ز گلستان من و بہار مرا

ہم انھی باقی ماندہ اوراق سے بہت کچھ نتیجہ نکال سکتے ہین، اس روزنامچہ کی سب سے پہلی

تاریخ ۷ جنوری ۱۸۷۱ء ہی اور سب سے اخیری ۱۳ اپریل ۱۸۷۱ء باقی بیچ مین رخنے مہینون کے
ہین کل تقریباً ۸۰ صفحات ہین۔

نظر کی ہمہ گیری | اِن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ لکھنے والے نے اٹلی کا کونہ کونہ چھان ڈالا ہی
عام قاعدہ ہی کہ سیر و سفر مین ہر آدمی کی نگاہ اپنے مخصوص مذاق کی چیزون پر پڑتی ہی لیکن
ہمارے سیّاح کی نظر اس قدر ہمہ گیر ہی کہ کسی صنف و مذاق کی قابل لحاظ چیز اسکی توجہ سے
محروم نہین رہتی جس جگہ اس کا گذر ہوتا ہی پورا جغرافیہ لکھدیتا ہی۔ حدود، رقبہ، آبادیٔ
پہاڑ، دریا، پیداوار، تجارت، سطح کی بلندی و پستی، سمندر سے فاصلہ ہر چیز کو اُس کا بیان
محیط ہوتا ہی۔ قدیم و جدید عمارات، تصاویر، و مجسمات وغیرہ کو ناقدانہ نگاہ سے دیکھتا ہی، انکے
حُسن و قبح کو واقف کار فن کی طرح بیان کرتا ہی، تاریخی یادگارین یا مقامات جب سامنے
آتے ہین تو وہ اُن کے متعلق دلچسپ تاریخی حوالے دیتا جاتا ہی۔ نیپلس کے حالات مین وہان کا
سارا نظامِ حکومت درج کر دیتا ہی۔

قومی عوائد و مراسم لوگون کے عادات و خصائل کے مطالعہ کے لیے خطرات تک کی
نہین پرواہ کرتا۔ جزیرہ ایرم کے حالات کے ذیل مین پوپ کے خط مین لکھتا ہی کہ اس دلکش
جزیرہ کے باشندے، چونکہ دولت و ثروت سے خالی ہین، لہذا اُن برائیون اور حماقتون سے
بھی بری ہین جو اس کا لازمہ ہین، اور اگر یہ لوگ انتقام جوئی سے بھی اسی قدر بیگانہ ہوتے
جتنا مال و متاع کے حرص و حوصلہ سے ہین تو عہد زرین کے شاعرانہ تخیل کی تصدیق ہوجاتی،
لیکن ذرا ذرا سی بات پر قتل و خونریزی کی قبیح عادت انکے لطف و مسرت کا ایک ناپاک
جز بن گئی ہی جسکی ایک مثال ہمارے یہان پہنچنے کی دوسری ہی رات پیش آئی یعنی
ایک ۱۰ اسال کا نوخیز ہمارے دروازہ ہی پر مار ڈالا گیا۔ لیکن چونکہ ہمکو اپنے کام سے کام

تھا، اِس لیے ان خطرناک لوگون مین صحیح وسلامت زندہ رہے"

پہاڑ، دریا، سبزہ زار وغیرہ قدرتی مناظر کے ساتھ حد سے زیادہ دلچسپی ہی بھی خط مذکورۂ بالا ٹکڑے کے علاوہ، باقی تمام تر انھی چیزون سے پُر ہی جنکو نہایت مزے لے لے کر بیان کیا ہی ایک اور خط مین تین صفحے سے زیادہ کوہ وسیو دیس کی آتش فشانی کے فرو ہونے کے بعد خود پہاڑ پر جا کر جہان نہایت دقت سے پہنچ سکا ہی ایک ایک چیز کو دیکھا اور نہایت خوبی سے بیان کیا ہی

کوئی عجیب بات سُن پاتا ہی تو اُس کی تحقیق کے پیچھے پڑ جاتا ہی جنوب اٹلی مین جب سیر کر رہا تھا، تو معلوم ہوا کہ یہان بعض مقامات خصوصاً ٹرینٹو مین ایک بہت بڑی مکڑی ہوتی ہی جسکے کاٹنے سے آدمی اکثر مرجاتا ہی، اس کا علاج گانا بیان کیا جاتا ہی جسکے اثر سے آدمی گھنٹون ناچتا رہتا ہی، اور کبھی ناچتے ہی ناچتے مرجاتا ہی۔ ہمارے متجسس مزاج سیّاح نے کئی جگہ اپنے روزنامچہ مین اس کا ذکر کیا ہی، لوگون سے اُسکے متعلق استفسارات کیے خود ایک آدھ بار یہ عجیب وغریب ناچ دیکھا ہی۔ اور جو شواہد جمع کیے ہین ان سے اس کا میلان اسکی تصدیق کی جانب معلوم ہوتا ہی۔

ستمبر ۱۷۷۱ء مین، جب یہ اٹلی کی سیر مین مشغول تھا، اپنے کالج مین جونیر فیلو سے سینیر فیلو منتخب ہوا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ٹرینٹی کالج سے اس کا تعلق منقطع نہین ہوا تھا، بلکہ ۱۷۱۳ء سے لیکر جب یہ کالج سے نکلا ۱۷۲۱ء تک جب یہ واپس گیا برابر رخصت پر تھا جسکی وقتاً فوقتاً تجدید ہوتی رہی۔ اب ہم اس روزنامچہ کی سب سے پہلی تاریخ کی چند ادن سطرون کے اقتباس پر گری یورپ کے ایام سفر کو ختم کرتے ہین۔ اس تاریخ یعنی ۷ جنوری کو وہ **ویٹی کان** کے مشہور

سلہ روم کے ایک مشہور اور شاندار سلسلۂ عمارت کا نام ہی جسمین پوپ کا محل، عجائب خانہ، لائبریری، کلیسا وغیرہ شامل ہین

کتبخانہ کے دیکھنے مین مصروف رہا۔ اس اقتباس سے ہمارے اوپر کے بیانات کی ایک حد تک تصدیق ہوگی کہ اُسکی ہمہ گیر نظر صرف نادر کتابون یا اپنے خاص مذاق کی کتابون کی دیکھ بھال تک نہین محدود ہی۔ بلکہ ہر شے کے لیے جوہر شناس نگاہ رکھتا ہی۔

ڈیکان کی لائبریری کی سیر

"آج صبح مین نے ڈیکان مین ایک گیلری کو قدمون سے ناپا، جو ۸۸ قدم لمبی نکلی، ہم نے اس قصر کا مشہور کتبخانہ دیکھا اُس مین قلمی اور مطبوعہ سب ملا کر بہتر ہزار کتابین ہین، یہ اپنی قسم کی بے نظیر عمارت ہی، جو تناسب کے لحاظ سے نہایت خوبصورت اور شاندار ہے، اور اسکی تصاویر بہترین ہاتھون کی دستکاری ہین۔ اسکی شکل یہ ہی ┴ ، سب سے بڑا لمبان قریباً ... فٹ کا ہی، تمام کتابین ڈسکون یا شکنجون مین چنی ہوئی ہین، جو دیوار سے لگا کر کھڑے کردیے گئے ہین۔ یہ تمام ڈسک بلندی مین برابر اور اتنے نیچے ہین کہ سب سے اوپر کی کتاب بھی بلا کسی زحمت کے ملسکتی ہی، ہمنے **ورجل**[۱] کا ایک قلمی نسخہ دیکھا جو چودہ سو سال سے زیادہ قدیم ہی۔ اس کے شروع **انیڈ** کی چار متنازع فیہ نظمین نہین تھین۔ ایک اور اس سے بھی پُرانا نسخہ ہمکو دکھلایا گیا۔ لیکن وہ ناقص تھا، یہ دونون نسخے نہایت جلی اور گنجان خط مین لکھے تھے، پہلے مین اوقاف تھے، دوسرے مین مطلق نہین۔ دونون تصویرون سے مزین تھے۔ لیکن پہلے کی تصویرین دوسرے سے بہت زیادہ وحشیانہ نہین، جسکی بنا پر خیال کیا جاتا کہ یہ دوسرا کم پُرانا ہی۔ ایک نسخہ **ٹرنس**[۲] کا بھی دیکھا، جسکے خصوصیات سے ہمنے فیصلہ کیا، کہ یہ بھی اتنا ہی پُرانا ہی۔ ایک نسخہ نہایت قدیم زمانہ کے سپٹواجنٹ[۳] کا دیکھا ....

ہنری ہشتم کے (**انا بولین** کے نام) عاشقانہ خطوط دیکھے۔ اور اُس کی وہ کتاب

---

[۱] رُوم کا ایک نامور شاعر جس نے ہومر کے الیاذہ کے نمونہ پر انیڈ کی رزمیہ مثنوی لکھی۔

[۲] ڈرامانویس شاعر کا نام ہی،

[۳] یہ لفظ لاطینی سے ماخوذ ہی جسکے معنی ستر کے ہین، جو عہد عتیق کے اس یونانی ترجمہ کا نام پڑگیا ہی جسکے متعلق کہا جاتا ہی کہ ۷۰ آدمیون نے مل کر کیا ہی۔

جو اُس نے لوتھر کے خلاف لکھی تھی، اور جسکی بدولت اسکو حامیِ دین کا لقب ملا تھا، اُسکے اول مین پوپ کے نام کا جو خط منسلک ہے اُس مین اُس نے صراحت کے ساتھ اسکی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کیا ہے، اِس پر میری نظر اس لیے پڑی کہ لوگ اس مین شک کرتے ہین ..... تیسرے پہر کو ہمنے اُن مجسمون کو دیکھا، جو ڈیکان کے رو کا رو والے حصہ مین ہین جنمین سے خاص خاص یہ ہین، کلیوپٹرا[۱]، اپالو[۲]، مشہور وکون، اور انٹینس[۳] یہ زمانہ قدیم کے کمالات کے بہترین نمونے ہین۔ اپالو اور لوکوئن[۴] کی تعریف کا تو کبھی حق نہین ہو سکتا۔

سنہ۲۰ مین پیرس کی روائل اکاڈمی کی جانب سے ایک انعامی مضمون کا اعلان ہوا، جس پر برکلے نے بھی ۲۰۰۵ صفحہ کا رسالہ لاطینی زبان مین لکھا، اور اٹلی سے اسی مین اُس کو اکاڈمی مین پیش کیا ہو گا۔ لیکن انعام ایک اور شخص کو ملا جسکی وجہ یہی سمجھنا چاہیے کہ یورپ ابھی اتنا بے تعصب نہین ہوا تھا کہ اُن اجتہادات کو قبول کرلے، جن سے ہزارون برس کے مسلمات کی تردید ہوتی ہو، یہ رسالہ دراصل مبادی کی ایک کڑی ہے عام خیال یہ ہے کہ بے جان موجودات خارجی باہم ایک دوسرے کی علت و معلول ہوتے ہین مثلاً آگ کاغذ کو جلاتی ہے۔ یا پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ اس رسالہ مین اسی کی تردید کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ محسوسات مین کوئی شے کسی شے کی علت نہین ہو سکتی، بلکہ حقیقی علت صرف نفس یا روح کا ارادہ ہے۔ یہی وہ اساس ہے جس پر آگے چلکر ہیوم نے اپنے نظریہ علت کی عمارت کھڑی کی یہ رسالہ لندن مین سنہ۲۱ مین پہلی بار چھپا۔

۱؎ کلیوپٹرا، مصر کی یونانی نژاد مشہور ملکہ، جو اپنے حسن و جمال، جرائم اور بدبختیون کے لیے شہرۂ آفاق ہے ۲؎ اپالو، روشنی کا دیوتا۔ ۳؎ انٹینس روم کے ایک نامی شاہنشاہ اڈرین کا محبوب و مقرب نوجوان جسکو اُس نے متبنیٰ کیا تھا اور جسکے نام شہر انیٹاپولس بسایا۔ ۴؎ اپالو کے معبد کا ایک مجاور (پریسٹ)

۱۷۲۰ء کے آخر مین انگلستان فرانس اور بحر جنوبی کا فتنہ

غرض غالباً ۱۷۲۰ء کے آخر مین ہمارا فلسفی سیاح فرانس ہوتا ہوا، پھر انگلستان واپس آ گیا۔ اس زمانہ مین سارا ملک خصوصاً لندن بحر جنوبی کی اسکیم کی تباہی کے فتنہ و آشوب مین گرفتار تھا جسکی مجمل حقیقت یہ ہے کہ ولیم ثالث کے عہد حکومت کی لڑائیون کی بدولت گورنمنٹ جس قومی قرضہ سے زیر بار ہو گئی تھی، وہ بڑھتے بڑھتے پانچ کرور تیس لاکھ پاونڈ تک پہنچ گیا تھا، اس کا صرف سود تیس لاکھ پاونڈ سالانہ ادا کرنا پڑتا تھا، جو سلطنت کی آمدنی کا نصف حصہ تھا، اس بوجھ کے ہلکا کرنے کے لیے مختلف تدبیرین اختیار کی گئین۔ انھی مین سے ایک یہ تھی کہ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہوئے کہ اگر گورنمنٹ ہم کو بحر جنوبی مین کامل حقوق کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے ایک کمپنی قائم کرنے کی منظوری دیدے تو ہم قومی قرضہ کے سود کی ادائگی کے لیے آٹھ لاکھ سالانہ دینے کے علاوہ ایک گران قدر رقم سر دست پیش کرتے ہین، یہ اسکیم منظور کر لی گئی، اس کمپنی کے منتظمین نے حصہ خریدنے والون کی کشش و میلان کے لیے یہ مشہر کر دیا کہ بحر جنوبی کے جزائر مین سونے کی بدولت بڑی دولت ہاتھ آئی ہی، پھر کیا تھا، لوگ حصون کے خرید کے لیے دیوانے ہو گئے اور ہزار ہزار پونڈ تک کے حصہ خرید لیے گئے، کیونکہ ہر شخص چاہتا تھا کہ کسی آسان اور فوری طریقہ سے محنت و مشقت کیے بغیر روپیہ ملجاے۔ لیکن ہو یہ رہا تھا کہ ارباب اسکیم تجارت تو کم کرتے تھے اور گلچھرے زیادہ اڑاتے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ دفعتہً ۱۷۲۰ء مین سارا بھانڈا پھوٹ گیا، ہزارون شرکا تباہ ہو گئے، سیکڑون آدمی بے خانما ہو کر ترک وطن پر مجبور ہوئے، اُس کے ماسوا عام طور پر ہر طرف لوگون مین عیاشی، بداخلاقی، اور بددیانتی پھیلی ہوئی تھی، محنت و جفاکشی سے روزی پیدا کرنے کی قابلیت مفقود تھی۔

برکلے نرا فلسفی نہ تھا، اس کا دل ابنای جنس اور قوم و ملت کے درد سے لبریز تھا

شورش وتباہ کاری کا یہ منظر دیکھ کر اُس سے نہ رہا گیا، اور "برطانیہ عظمیٰ کو بربادی سے بچانے کی راہ" کے عنوان سے ایک مبسوط رسالہ لکھ کر گمنام شائع کیا۔ اس مین اُس نے بتلایا کہ برطانیہ کی تباہی کے اصلی اسباب الحاد وبددینی کی اشاعت، عیاشی، فضول خرچی اور کاہل الوجودی ہین۔ بحر جنوبی کی ناکامی کی تہ مین یہی اسباب پنہان ہین اس لیے "اگر ہم اپنی نجات چاہتے ہین تو ہمکو دیندار، میانہ رو، اور جفاکش بنا چاہیے۔ اُس نے اس مین اقتصادی ترقی وتنزل کے اس نکتہ سے نہایت وضاحت کے ساتھ آگاہ کیا کہ "جسقدر کسی قوم مین بغیر ہنر وجفاکشی کے دولت کمانے کے طریقے رائج ہونگے، اُسی قدر اُس مین اُن دونون (ہنر وجفاکشی) چیزون کی کمی ہوگی" اُس نے اپنے ان دعاوی کو یونان، اور روم کی تاریخی مثالون، اور ہالینڈ، اسپین، پرتگال وغیرہ کی زندہ شہادتون سے (جو اُس زمانہ مین صنعتی وتجارتی ترقیات کے لحاظ سے یورپ مین ممتاز تھے) واضح کیا ہے۔

بازگشت وطن چند ہی مہینے لندن مین گذرنے پائے تھے کہ آئرلینڈ جانیکی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی، ۸ سال سے باہر تھا، احباب ودیارانِ وطن سے ملنے کا قدرتہً اشتیاق بڑھ گیا ہوگا اگست سنہ ۲۱ مین گرنفیٹن کا ڈیوک ثانی چارلس آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ یا وایسرائے مقرر ہوکر جارہا تھا، برکلے کو ارل برلنگٹن کی سفارش سے اس نے اپنا چپلین بنا کر ہمراہ لے لیا یہان ڈبلن یونیورسٹی کے ارباب نے ٹرنیٹی کالج کے اس سرمایۂ فخر پرانے متعلم کو ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور متعدد تعلیمی ودینی مناسب پر اس کا پیہم تقرر عمل مین آتا رہا، جنکو اُس نے تقریبًا ڈھائی سال تک انجام دیا۔ تفصیل یہ ہے۔

سینیر فیلو تو پہلے ہی سے تھا۔ ۱۴ نومبر سنہ ۲۱ کو یونیورسٹی کی جانب سے دینیات کے بیچلر اور ڈاکٹر کی ڈگری عطا کی گئی۔ ۲۰ کو دینیات کا لکچرر، اور یونیورسٹی واعظ بنایا گیا۔

۴ جون ۲۲ء کو عبری لکچرر کی جگہ خالی ہوئی، اُس پر بھی اسی کا انتخاب عمل مین آیا۔ نومبر مین سینیر پراکٹر (مہتمم یا نگران) کی انتظامی خدمت سپرد ہوئی۔ ان تمام خدمات کا معاوضہ چار پانچ سو پاونڈ سالانہ اندازہ کیا جاتا ہی، ساتھی ساتھ وایسراے (لارڈ چارلس) کا چیپلین بھی رہا جس کا کام ایسا نہ تھا، کہ ان نئے فرائض سے عہدہ برائی مین حارج ہوتا۔

بے سان وگمان دولت | ۲۳ء کے نصف اول مین ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جسنے ڈاکٹر برکلے کے حالات اور ارادون مین بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا ہوگا۔ ایستھر جو وانھومری نام ایک دولت مند تاجر کی لڑکی تھی۔ اُس کے ماں باپ مر چکے تھے، تنہا تمام جائداد کی مالک تھی، کہا جاتا ہی کہ سوفٹ کے اُس کے ساتھ کچھ عجب پُر اسرار تعلقات تھے، اور اس خاتون نے اپنی تمام کائنات اُس کے حوالہ کر دینے کا عزم کر لیا تھا لیکن اُس نے نہایت شرمناک غدّارانہ سلوک کیا جس سے اُس کا دل پھٹ گیا۔ اور مئی ۲۳ء مین مرتے وقت اس نے اپنی تمام جائداد کی وصیّت ہمارے برکلے اور ایک اور شخص رابرٹ مارشل کے نام کر دی۔ کل مالیت آٹھ ہزار پاونڈ کی تھی جس مین یہ دونون نصف نصف کے شریک تھے۔ برکلے ۱۳ء مین جب لندن مین تھا، تو سوفٹ کے ساتھ صرف ایک مرتبہ ایستھر ہان ڈنر مین شریک ہوا تھا، بیان کیا جاتا ہی کہ بس یہی پہلا اور آخری موقع ہی کہ برکلے نے ایستھر کو دیکھا تھا۔ لہذا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ برکلے کو اس خبر سے کس قدر اچنبھا ہوا ہوگا، قیاس یہ کیا گیا ہی کہ اس کی دلکش اخلاقی شخصیت کا یہ ایک کرشمہ تھا۔ کچھ زیادہ حیرت انگیز نہین ہی کہ جو شخص اولین ملاقات مین بشپ اٹربری کو فرشتۂ مجسم نظر آیا ہو، اُس نے چند ہی گھنٹون کی یکجائی مین ایستھر کو ہمیشہ کے لیے گرویدہ ومسحور کر لیا۔

ٹبری کی ڈنیری | اس واقعہ کے تقریباً سال بھر بعد ڈیوک آف گرفیٹن کی سرپرستی اور قدردانی

کی بدولت ۲ مئی ۱۷۲۴ء کو ڈاکٹر برکلے ڈیری کی دولت مند ڈینری کیلئے نامزد ہوا، ڈین یون بھی ایک نہایت وقیع کلیسائی منصب ہی، جو بشپ سے صرف ایک درجہ نیچے ہے۔ لیکن ڈیری کی ڈینری خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی تھی۔ اور اس زمانہ مین آئرلینڈ کے چرچ کا ایک نہایت ممتاز اور بزرگ عہدہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی آمدنی گیارہ سو پاونڈ کے قریب تھی۔ اسی مہینہ کی ۱۹ کو اس رتبہ ڈین پر اسکی جانشینی کی باقاعدہ رسم ادا کی گئی۔ یہ جگہ چونکہ خود اپنے مستقل مشاغل و فرائض رکھتی تھی اس لیے کالج سے فیلوشپ اور لکچری وغیرہ کے عاملانہ تعلقات اُس کو منقطع کرنے پڑے۔

جزائر برموڈا مین کالج قایم کرنے کی اسکیم

ابھی ڈاکٹر برکلے کو ڈین برکلے بنے مشکل سے چار مہینے گذرے تھے کہ یکایک سوفٹ کے ایک خط سے ہمکو یہ خبر ملتی ہی کہ وہ امریکہ کے باشندون اور مشنریون کی تعلیم کے لیے جزایر برموڈا مین ایک یونیورسٹی کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہی۔ اس تخیل کی تکمیل کا اُس نے غیر متزلزل عزم کرلیا ہی، اور اُس کے لیے وہ اس درجہ بے کل ہے کہ "اگر ڈینری سے اُس کو سبکدوش نہ کردیا گیا تو اس کا جگر شق ہوجائیگا"۔ سوفٹ کا یہ خط جسکی تاریخ ۳ ستمبر ۱۷۲۴ء ہی، آئرلینڈ کے موجودہ وائسرائے کے نام ہی جس مین اس سے سفارش کی گئی ہے کہ برکلے کو اُس کے اس مقصد مین مدد دے۔ برکلے کے مربی ڈیوک آف گریفٹن کی وائسرائی کا زمانہ مئی ہی مین اُس کو ڈین بنانے کے بعد ختم ہوچکا تھا۔

سوفٹ کے اسی خط مین تصریح ہی کہ برموڈا مین کالج قائم کرنے کا یہ تخیل آج سے تین سال پہلے ہی پیدا ہوچکا تھا یعنی جب وہ اٹلی کے سفر سے واپس آکر لندن مین مقیم تھا، اور بحر جنوبی کا فتنہ بالکل تازہ تھا۔ اس کے تباہ کارانہ عواقب اور انگلستان کی عام

مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی ابتری کا، جو شدید اور یاس انگیز اثر برکلے کے دل پر پڑا تھا، اس کا اندازہ تم اُس رسالہ سے کر سکتے ہو، جو برطانیہ عظمے کو بربادی سے بچانے کے لیے اُس نے لکھا تھا۔ اس بنا پر یہ بات قرین قیاس ہے کہ سرزمین وطن کی اصلاح و نجات سے مایوس ہو کر، علم و مذہب کی خدمت کے لیے نئی دنیا (امریکہ) کی بن جُتی لیکن صالح زمین پر اس کی نگاہ انتخاب پڑی ہوگی، جیسا کہ خود اسکی ایک نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ "میوزِ علم و فن کی دیبی، بنجر زمین (انگلستان) سے بیزار ہو کر ایک بعید خطۂ ارض (امریکہ) میں زرین عہد کے لیے چشم براہ ہے، جہاں کی آب و ہوا دلکش ہے، جو معصومیت کا تخت گاہ ہے، جہاں قدرت رہنما اور نیکی حکمران ہے"۔ لیکن ایک ایک گرہ اب بھی نہین کھلی کہ آخر یہ تخیل تین سال تک کیون سویا رہا۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے برکلے نے اپنے لیے دو باتون کو از بس ضروری خیال کیا ہوگا، اولاً وجہ معاش سے اطمینان و بے فکری، ثانیاً کسی ایسے موقر کلیسائی مرتبہ کا حصول، جو اس کی آواز کو حکومت کے ایوان اور قوم کے مختلف طبقات مین زیادہ موثر اور وقیع بنا سکے۔ اب یہ دونون شرطین مجتمع ہو چکی تھین۔ پہلی اسیتھر کی وصیت کی بدولت اور دوسری ڈیری کے منصب جلیل سے بہر کیف، کچھ بھی ہو، ڈین برکلے کو اپنے اس سہ سالہ خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے ستمبر ۲۴ء مین ہم پھر لنڈن مین پاتے ہین۔ یہان پہنچکر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس اسکیم کے اغراض و مقاصد کو مفصلاً شائع کیا۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد تو امریکہ کے وحشی باشندون مین مسیحیت کی **تبلیغ** اور **علم و تمدن** کی اشاعت ہے، اگرچہ اس غرض کے لیے اس صدی کے آغاز ہی سے مختلف ممالک یورپ سے مشن بھیجے جا رہے تھے اور ۱۷۰۱ء مین اسی کام کے لیے امریکہ مین ایک مستقل جمعیتہ کی بنیاد ڈالی جا چکی تھی،

لہ دیکھو صفحہ ۲۲۳ - فریزر رجمہ۳

لیکن ابتک جس طرح کے مشنری بھیجے جاتے تھے وہ چونکہ نہایت کم علم وکم حوصلہ ہوتے تھے
ان کے اندر ملت اور انسانیت کی خدمت کے ایثارانہ جوش وولولہ کا فقدان ہوتا
تھا، اس لیے وہ اپنی شکم پروری اور تن آسانیون مین پھنس جاتے تھے۔ برکلے کے نزدیک
کامیاب اور مستقیم راہِ عمل یہ تھی، کہ سب سے اول ایک کالج بنایا جاے جس مین تن دہی
سے کام کرنے والے مبلغین امریکہ کے حالات وضروریات کے مناسب تیار کیے جائین
اور سب سے بڑھکر اس امر کی کوشش کی جاے کہ خود وہان کے باشندے اس کالج مین تعلیم
حاصل کرکے اپنے ہموطنون کو خود ان کی زبان مین علم ومذہب کے نجات بخش اصول سے
آگاہ کرین، جو بہت زیادہ سریع التاثیر طریقہ ہی۔

فلاسفہ کی نسبت یہ عام بدگمانی ہی، کہ بے شک وہ عالم سماوی کے دقائق و
غوامض کی ایسی پراسرار داستان بیان کرسکتے ہین کہ معمولی لوگون کی عقلین دنگ رہجاتی
ہین لیکن عالم ارضی کے کاروبار مین اُن کے ذہن نشین بالکل نہین چلتے۔ فلسفی کے ایک
محدود معنی مین یہ بدگمانی بالکل بے بنیاد نہین ہی، لیکن برمودا اسکیم کے مجوز فلسفی کا
دامنِ کمال قطعاً اس نقص سے پاک ہی۔ اس دعویٰ کی شہادت کے لیے اس تجویز برمودا کے
ایک بند کا اقتباس کافی ہی جسمین اُس نے بتلایا ہی کہ قیامِ کالج کے لیے کیسی جگہ ہونی چاہیے

"انتخاب مقام مین بہت سی باتون کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ آب وہوا عمدہ ہو،
کھانے پینے کی چیزین سستی اور بافراط ہون، امریکہ اور جزائر کے تمام
حصون سے تعلق قائم رکھنا آسان ہو۔ بحری قزاقون، وحشیون اور دوسرے
دشمنون سے بے خوف ومحفوظ ہو، تجارت کی منڈی نہو، کہ کالج کے طلبہ
اور فیلو اپنا اصل کام چھوڑکر تاجر بننے کے حریص ہوجائین وہان دولت کی

بغاوت اور عیش پرستی کا چرچا نہو، کہ ان کا دھیان اُچٹ جاے اور انکی انہماک مین کمی واقع ہو، یا انکو اپنی سادگی اور متوسط زندگی سے غیر مطمئن اور بے قناعت بنادے۔ سب سے آخر یہ کہ وہان کے باشندے بشرطیکہ ایسی کوئی جگہ مل سکے، اپنے عادات کی سادگی اور معصومیت کے لحاظ سے ممتاز ہون، مجکو یہ بتلانے کی ضرورت نہین کہ یہ نکتہ نوجوان طلبہ کے اخلاق کے سوارنے مین کس قدر اہم ثابت ہوگا، اور مشن پر کتنا زبردست اثر اس کا پڑے گا"

اس کے بعد اُس نے تفصیل وار بتلایا ہے کہ یہ تمام خصوصیات جزائر برمودا مین مجتمع ہین برمودا قارۂ امریکہ سے ۷۰۰ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا مجمع الجزائر ہے جو جنوبی بحر اٹلانٹک مین واقع ہے کہنے کو تو اس مین ۳۰۰ کے قریب جزیرے شامل ہین لیکن کل رقبہ ۲۰ میل مربع سے زیادہ نہین، آب وہوا کے لحاظ سے اُن کو سدا بہار کہا جاتا ہے۔

اس اسکیم کا لندن کے بعض معزز حلقون مین نہایت پرجوش استقبال کیا گیا، کچھ چندہ بھی فراہم ہوا، لیکن برکلے کو یہ دُھن تھی، کہ گورنمنٹ سے کوئی گران قدر امداد، اور شاہی چارٹر ملے، اس مقصد کے حصول کے لیے اُس نے دوڑ دھوپ کا کوئی طریقہ اُٹھا نہین رکھا۔ علمی مشاغل اور فلسفیانہ غرور وتمکنت تک کو بالاے طاق رکھدیا، دربار داریان کین۔ کارولین، شہزادی ویلس کو علمی ومذہبی صحبتون اور مناظرون سے بیحد شوق تھا، اُس نے ایک ہفتہ وار مجلس قائم کر رکھی تھی، جسمین برکلے کو سیمول کلارک کا، جو ابتک زندہ تھا، حریف بنکر جانا پڑا تھا۔ ع

این ہم اندر عاشقی بالاے غمہاے دگر

بالآخر مئی ۲۶ء مین بیڑا پار لگا، چارٹر کے ساتھ بیس ہزار پونڈ کا وعدہ گورنمنٹ نے کرلیا کالج کا نام **سینٹ پال کالج** قرار پایا - خود برکلے پہلا پریسڈنٹ مقرر ہوا، عہدے اور مناصب متعین ہوگئے، مقاصد کا اعلان کر دیا گیا -

اس کے بعد دو برس سے زائد برکلے اور لندن ہی مین رہا - اس زمانہ کے بہت سے خطوط جو ڈیر ٹام کے نام لکھے گئے تھے محفوظ ہین - ان سے معلوم ہوتا ہو کہ آئرلینڈ مین اسکی جائداد وغیرہ کی دیکھ بھال اور تمام معاملات ٹام ہی کے سپرد مین دیتی جائداد کے جھگڑے ابتک چلے آتے ہین - مرحومہ کے قرض خواہ لندن مین برکلے کو آکر دق کرتے ہین - دوسرا شریک معاملات کو صاف نہین ہونے دیتا - آخر مین اُس نے تنگ آکر لکھا ہو کہ وکلا سے مشورہ کر کے تنہا میرے حصہ پر قرض وغیرہ کا جو کچھ بار پڑتا ہو، وہ جلد سے جلد چکا دیا جاسے - اپنے بھائیون کو ٹام سے اکثر روپیہ کی دہانید کراتا ہو - جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اُن کی تعلیم وغیرہ کا پورا کفیل ہو -

شادی ۵ ستمبر ۲۸ء کے خط سے دفعتہ ہمکو یہ معلوم ہوتا ہو، کہ ہمارے برموڈا یونیورسٹی کے پریسڈنٹ نے شادی کرلی - اور کل مع اپنی بی بی اور تمام جماعت کے جزیرۂ رہوڈ[ا] کے لیے پا بہ رکاب ہو - افسوس ہو کہ شادی کے محرکات وغیرہ کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہین معلوم، جتنا اِس خط مین دیا ہوا ہو "میری شادی مرحوم چیف جسٹس فورسٹر کی لڑکی سے ہوگئی، جس کا مزاج اور طبیعت کی افتاد ان تمام چیزون سے زیادہ میرے لیے دلکش ہے، جو مین اُسکے سارے ہمجنس طبقہ مین پاتا ہون" چونکہ برکلے خود برموڈاز کو کاروبار کے شور و غل سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا، اس لیے اُس نے

[ا] یہ قارہ امریکہ سے بہ نسبت برموڈا کے بہت قریب ہو - کوئی ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر ہوگا -

مناسب یہ خیال کیا رہوڈ مین ایک جائداد خریدے کر وہان کچھ تجارت اور صنعت کے پیشہ درون کو آباد کرکے برموڈا سے لین دین اور آمدورفت کے تعلقات قائم کردے تاکہ کالج کے ضروریات سے یہان سے مہیا ہوتے رہین، اسی غرض سے اسنے اپنے ہمراہ بہت سے تجارت پیشہ اور صناع لے لیے۔ اس کے علاوہ اور مختلف قسم کا بہت سا سامان ساتھ تھا۔ بیس ہزار کتابون کا وسیع ذخیرہ تنہا برکلے کی ملکیت کا جہاز پر تھا۔

جزیرہ رہوڈ

غرض اس اہتمام او رساز وسامان کے ساتھ ۲۹ ۱۷ء کے پہلے مہینے کی ۲۳ کو رہوڈ کے بندرگاہ نیوپورٹ پر برکلے کا ۲۵۰ ٹن کا جہاز لنگر انداز ہوا۔ یہان نیوپورٹ مین یہ ۵-۶ مہینے رہا۔ اس کا حسن خلق، مذہبی بے تعصبی وتحمل اسقدر مشہور ہو گیا تھا کہ ہر مذہب وفرقہ کے لوگ کثرت سے اُسکے وعظون مین شریک ہوتے تھے۔ یہ کبھی کبھی یہان کے باشندون اور دیہاتون کے جھونپڑون مین اُنکے عادات وخصائل کے مطالعہ کے لیے بھی نکل جایا کرتا تھا۔ اصل بری امریکہ غالباً ایک آدھ بار سے زیادہ جانے کی نوبت نہین آئی۔ یہ جگہ اس کو اتنی بھائی، کہ ۱۲ جون کے خط مین ٹام کو لکھا ہے کہ اگر چارٹر مین تغیر ہو سکے، تو مین اس جگہ کو برموڈا سے زیادہ پسند کرون گا۔ اسی خط مین خبر دی ہے کہ "میرے لڑکا ہوا ہے، جو خدا کا شکر ہے کہ جینے والا معلوم ہوتا ہے"

وہائٹ ہال

جولائی یا اگست مین برکلے، رہوڈ کی اصل وادی مین منتقل ہو گیا، یہان اس نے ایک وسیع قطعۂ زمین خرید کر، اچھا خاصا مکان بنالیا جس کا نام شاہان انگلستان کے قصر کی یادگار مین وہائٹ ہال رکھا۔ اس کے آثار شاید ابتک موجود ہون، یہان اسکے دو سال انتہائی اطمینان وسکون کے ساتھ بسر ہوے ہونگے۔ **مکالمات السیفارن** انہی پُرامن ایام کی یادگار ہین، یہان کے باشندے بیان کرتے ہین کہ وہ اکثر پہاڑی

کے ایک کھوہ مین کھُلی ہوا مین بیٹھکر الیسیفارن کے لیے مطالعہ کیا کرتا تھا، اس کتاب مین جابجا یہان کے مناظر بھی ملتے ہین۔ واہٹ ہال مین قرار گیر ہونے کے بعد اُس نے نیو پورٹ مین ایک فلسفیانہ مجلس قایم کی، جہان کچھ لوگ اُس کو اپنے مذاق کے زندہ رکھنے کے لیے ملجاتے تھے، سال مین دو بار اُس کے مکان پر گرد و نواح کے مشنریون کا اجتماع ہوتا تھا، جو اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے باہم گفتگو و تبادلۂ خیالات کرتے تھے، اور برکلے کے قیمتی مشورون سے مستفید ہوتے تھے، امریکہ کا مشہور عالم و متکلم سیمول جانسن نے جو آگے چلکر نیو یارک کے کنگ کالج کا پہلا پریسیڈنٹ ہوا، کئی بار وہائٹ ہال کا حج کیا، برکلے سے تلمذانہ استفادہ کرتا تھا، اسکے فلسفہ کا پوری طرح قائل ہوگیا تھا، اکثر اپنے شکوک اور علمی دشواریون کو مراسلت کے ذریعہ سے رفع اور حل کیا کرتا تھا، چنانچہ اسکے نام برکلے کے جو خطوط ملے ہین، وہ تمام تر اسی قسم کے مباحث سے لبریز ہین کہاجاتا ہو کہ جانسن کی مشہور تصانیف برکلے ہی کے خوانِ علم کی زلہ ربائیان ہین، امریکہ کے اور علائۓ آلہیات مین بھی مبادی کا فلسفہ بہت مقبول ہوا۔ جناتھن اڈورڈسی جو اس زمانہ کا نہایت دقیق النظر عالم فلسفہ خیال کیا جاتا ہو۔ برکلے ہی کی آواز بازگشت ہو۔

لیکن ان تمام مصروفیتون اور دلچسپیون کے باوجود ہمارے ڈین کا سارا دل اپنی اسکیم برمودا مین لگا ہوا ہو، لندن کے احباب کو برابر لکھتا رہتا ہو کہ سرکاری عطیہ وغیرہ کے حصول مین جلدی کرنی چاہیے، اس کو کیا معلوم تھا کہ اس کی زندگی کا یہ ڈراما ٹریجڈی ثابت ہوگا، سب سے پہلے غالباً ۲۹ء کے آخر ہی مین اُس کو لندن کے ایک دوست نے خط مین اشارتاً اتنا لکھا تھا کہ بیس ہزار پاؤنڈ والے وعدہ کی مجکو بہت کم توقع ہو، اس یاس انگیز اطلاع کا غالباً کوئی دیرپا اثر نہ پڑا ہو۔ لیکن سال بھر سے زائد

کے بہم لیت ولعل اور انتظار کے بعد مارچ ۱۸۳۰ء مین پر اثر کو جو خط لکھا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اب اس پر بھی یاس چھا چلی ہی، چنانچہ لکھتا ہی کہ " باوجود اپنے مقاصد مین تاخیر اور مایوسیون کے خدا کا شکر ہی کہ تسکین کے لیے دو منزلی راحتین حاصل ہین، ایک میری بی بی، اور ایک بچہ، جو ہر طرح میری توقعات سے بڑھکر، اور میری آرزوؤن کے عین مطابق ہی"، اسی خط مین لکھا ہی کہ میرے حساب مین میری بی بی کی دایہ کی لڑکی کی پرورش کے لیے دو گنی سالانہ میری بی بی کی بھاوج کو دیدیا کرو، تاکیہ جانو کہ کارِ خیر ہی" اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکی فیاضی اور خیر بھائی بندون ہی تک محدود نہ تھی پھر، مئی کے خط مین ہر طرح کی کوششین کرتھکنے کے بعد لکھتا ہی کہ "صاف صاف انکاری جواب ملجانے کے بعد مین وطن کی مراجعت کا قطعی تہیہ کر لیا ہی۔ کیونکہ اس کو مین ذرا بھی اپنے ذہن مین جگہ نہین دے سکتا کہ باہر رہ کر ڈینری کے تعلق کو قائم رکھون" یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ اپنے منصب ڈینری سے علحدہ نہین کیا گیا تھا"

بالآخر غالباً ۱۸۳۱ء کے آغاز مین لندن کے بشپ گبسن نے بہ ہزار خرابی وزیر اعظم والپول سے یہ دلچسپ اور آخری جواب حاصل کیا، "اگر آپ مجھ سے بہ حیثیت میرے وزیر ہونے کے دریافت کرتے ہین، تو مین یقین دلاتا ہون، کہ جیسے ہی پبلک مصلحت موقعہ دیگی قطعاً روپیہ دیا جائیگا، لیکن اگر آپ بہ حیثیت دوست کے یہ پوچھتے ہین کہ ان بیس ہزار پاؤنڈ کے انتظار مین ڈین برکلے کو امریکہ مین پڑا رہنا چاہیے یا نہین، تو میرا دوستانہ مشورہ یہ ہی کہ وہ اپنے توقعات کو خیرباد کہکر وطن واپس آجائین" یہ ستم ظریفانہ جواب تو ہمارے ڈین کو وسط اپریل سے پہلے ہی پہنچگیا۔ لیکن ستمبر سے پہلے وہ سواحل امریکا کو نہین چھوڑ سکا، خدمتِ مذہب وانسانیت کے اُس خرمن صد شوق وآرزو کے ساتھ، جو دس سال سے

فراہم کیا جارہا تھا، وزیر اعظم برطانیہ کے ان فقرات نے جس برق افگنی کا سلوک کیا ہوگا ہم اس کا کسی طرح اندازہ نہین کرسکتے سچ یہ ہو کہ برکلے کی تقریباً ہفتاد سالہ زندگی کا کوئی سانحہ اتنا دردانگیز اور دل خراش نہین ہو۔ گوناگون زحمت کشیون، مالی نقصانات اور اضاعتِ وقت کے بعد اُس کے پاس اگر تسکین اندوزی کا کوئی سرمایہ تھا، تو "مکالمات السیفارن" اور وہائٹ ہال کے وہ پُرامن و بافراغت ایام جو اُس نے دنیا کی پر شور زندگی، اور کشاکش سے آزاد رہ کر فکر و مطالعہ کی عالمِ فراموش ذہنی لذتون مین بسر کیے، جس کا اظہار اُس نے السیفارن کی پہلی ہی گفتگو مین کیا ہو، حکیم عرفی نے سچ کہا ہو کہ

نقد ہر سود در جیب زیان انداختیم

لندن واپس بہرکیف ساڑھے تین سال کی غیبوبت کے بعد فروری ۳۲ء مین ہم ڈین برکلے کو مع بی بی اور بچہ کے لندن مین پاتے ہین، جہان دو سال سے زیادہ قیام رہا، مارچ مین مکالمات السیفارن کا پہلا اڈیشن، جس کے ساتھ نظریۂ رویت بھی شامل تھا، نکلا، اُس مین اُنھین مدعیانِ آزادخیالی کے مقابل مین مسیحیت یا مذہب کی حمایت کی گئی ہو، جنکا ذکر مضامینِ گارجین کے ذیل مین اوپر گذر چکا ہو۔ یہ اس قدر جلد ہاتھون ہاتھ پبلک مین پھیل گئی کہ اسی سال دوسرا اڈیشن شایع کرنا پڑا، لیکن اس کتاب کی اشاعت نے برکلے کی مخالفت کا ایک طوفان برپا کردیا، کثرت سے لوگون نے تردیدین چھاپین۔ بشپ براؤن نے جس پر السیفارن مین بعض بعض جگہ حملہ تھا، ایک نہایت ضخیم کتاب لکھ ڈالی، جسکے تقریباً دو سو صفحے صرف برکلے کی تردید کے لیے وقف کردیے، لیکن اُس نے اس تمام طوفان مین صرف اس ایک گمنام مراسلہ کی جانب اعتنا کیا، جو روزانہ اخبار ڈیلی پوسٹ بواسے مین نکلا، اور جس کا تعلق نظریۂ رویت سے تھا۔

اس خلاف عادت اعتنا کا سبب برکلے نے خود ہی جانسن کے ایک خط مین بیان کیا ہے
بشپ آف کارک کی کتاب اور وہ دوسری کتاب جس کا مصنف بیکسٹر نامی کوئی شخص ہی اُنکی جانب
یہان لوگون نے بہت ہی کم التفات کیا ہی، اس لیے مین نے پبلک مین ان پر کوئی توجہ نہین
کی جن اعتراضات کا جواب اصل کتاب مین دیا جاچکا ہی ان کا پھر جواب دینا اور ایک
ہی بات کو بار بار دہرانا غیر ضروری اور نامطبوع دونون تھا **نظریہ رویت** والا رسالہ اگر
اخبار مین نہ چھپتا، جسکی وجہ سے تمام ملک مین پھیل گیا، تو مین اسپر بھی توجہ نہ کرتا، اسکے علاوہ
نظریہ رویت بعض آدمیون کے لیے کسی قدر گنجلک بھی تھی، اس ایک موقع پاکر اُسکی
تشریح کر دینا مجکو ناگوار نہین گذرا" اس جواب کا عنوان "تشریح واثبات نظریہ رویت" تھا،

آرزوے عزلت | رہوڈ سے واپس ہوتے ہی برکلے کی تندرستی مین گھن لگ گیا تھا جسمین
برمودا اسکیم کی ناکامیون کا کچھ کم حصہ نہ تھا، ٹام کے خط مین لکھتا ہی کہ "منضبط زندگی اور صبح خیزی
کی بدولت (جو دنیا مین مجکو سب سے عمدہ چیز معلوم ہوتی ہی) بہت کچھ سنبھل گیا ہون یہانتک کہ
گو ابھی پڑھ لکھ نہین سکتا، لیکن خیالات مین ویسی ہی صفائی آگئی ہی جیسی کبھی پہلے تھی لہذا
تفریحاً صبح کا وقت ریاضی کے بعض مسائل پر غور و فکر مین گذارتا ہون، ممکن ہی کچھ نتیجہ نکل آوے"
یہ نتیجہ انالسٹ ہی، جسکا حاصل یہ ہی کہ ریاضی کے اصول اولیہ اور مبادی بھی اسی طرح انسان کے
لیے ناقابلِ فہم ہین جس طرح مذہب کے، لہذا مذہب کو صرف اس بنا پر نہ ماننا کہ اسکے مبادی فوق الفہم
ہین، محض ہٹ دھرمی ہی۔ اُسکی اشاعت نے انگلستان کے تمام مشاہیر علماء ریاضیات
کو نعل بر آتش کر دیا اور بیسیون مضامین و رسائل مخالفت مین لکھ ڈالے گئے، ابھی پوری طرح
سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ نقرس کا حملہ ہوا، جو زندگی کے ساتھ گیا۔ سن بھی انحطاط کا آچکا تھا۔
ان اسباب نے عزلت و خانہ نشینی کی آرزو غالب کر دی، چنانچہ ۱۵ جنوری ۳۴ء کے خط مین

ٹام کو لکھتا ہر کہ "اب میرے تمام حوصلوں پر صحت کا خیال اور عزلت کی تمنا غالب ہر"

منصب بشپ | خوش قسمتی دیکھو کہ ۱۹ ہی جنوری کو اس تمنا برآری کا بہترین سامان نکل آیا، ڈین برکلے کو یکایک یہ اطلاع ملی کہ وہ کلاٹن کا بشپ برکلے ہو گیا، یہ جگہ اُس کی گوشہ نشینی کے اعمال کے لیے اتنی موزون تھی کہ وہ خود بھی اس سے بہتر نہین تجویز کر سکتا تھا، اور حکومت نے اِس ذریعہ سے ایک حد تک برمودا کی مایوسیون کی اشک شوئی کر دی، لیکن خرابیِ صحت کی وجہ سے مئی سے پہلے برکلے لندن کو نہ چھوڑ سکا۔

عہدِ انحطاط و عزلت

(۱۷۳۴ء تا ۱۷۵۲ء)

۱۹ مئی ۱۷۳۴ء اتوار کے دن سینٹ پال چرچ (ڈبلن) مین بشپ کے مقدس منصب پر برکلے کی سرفرازی کے باقاعدہ تمام مراسم ادا کیے گئے، یہان ہفتہ عشرہ ٹھہر کر اُس نے سیدھی کلاٹن کی راہ لی، یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جسکی ابرشیہ (بشپ کا ماتحت حلقہ) مین ۴۴ گرجے اور ۱۰ ہزار سے پروٹسٹنٹ آبادی شامل تھی، رومن کیتھلک چرچ دو گنے تھے، اور ان کی آبادی بھی ۸۰ ہزار سے زاید تھی، خود بشپ کا اقامت گاہ کلاٹن کے دیہات مین واقع تھا، جو خاموش مطالعہ اور عزلت کی زندگی کے لیے ہر لحاظ سے موزون تھا۔ برکلے یہان پہنچکر بالکل خانہ نشین ہو گیا، ۱۸ سال کی طویل مدت مین کل ایک بار ۱۷۳۷ء مین اپنی ابرشیہ سے باہر قدم نکالا، وہ بھی صرف ڈبلن تک اور ایک مذہبی فتنہ کے فرد کرنے کے لیے (جس کا ذکر آگے آتا ہی) کلیسائی فرائض کی انجام دہی کے علاوہ ابتداءً صبح کے اوقات کا بڑا حصّہ فلاطون[1] اور ہوکر کے

[1] رچرڈ ہوکر (۱۵۵۳ - ۱۶۰۰) کی مشہور کتاب "سیاست دینیہ" ہر، برکلے اُس زمانہ مین یونانی خیالات خصوصاً فلاطون کا شیدائی ہو رہا تھا۔ ہوکر کے لٹریچر کی جان بھی یہی یونانی خیالات ہین اسلیے غالباً وہ برکلے کو مرغوب رہا ہو گا۔

کے مطالعہ مین صرف ہوتا تھا، انالسٹ کی اشاعت سے علماے ریاضیات مین جو آگ لگ گئی تھی اسکے شعلے ابتک جابجا سے اُٹھ رہے تھے، ڈاکٹر جورن نامی ایک مشہور شخص نے اسکا رد لکھا، ڈبلن کے ایک اور عالم ریاضیات والٹن نے بھی اسپر شدید حملے کیے، برکلے نے ان دونون کا جواب دو مستقل رسالون مین دیا، جو دلائل کی قوت کے ساتھ نہایت شوخ چوٹون کی چاشنی بھی رکھتے ہین۔

خدمت وطن مسلسل بیماریون اور عملی زندگی کی مایوسیون نے برکلے کو خانہ نشین بیشک کر دیا تھا لیکن جس شخص نے ملت و انسانیت کی خدمت کے پیچھے گھر بار، احباب و اعزہ سبکو تج کر نئی دنیا کا ایک گوشہ جا بسایا تھا، اُسکی خانہ نشینی کے یہ معنی کسی طرح نہین ہو سکتے تھے کہ وطن مین رہ کر اہل وطن کی تباہ کاریون کا تماشہ بیٹھے بیٹھے دیکھا کرے، اُس زمانہ مین آئرلینڈ کی اجتماعی اور عمرانی حالت نہایت ہی پست تھی معاشرت کے ادنی ادنی اصول سے یہان کے باشندے بیگانہ تھے، مذہبی اور اخلاقی تنزل اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا مختصر یہ کہ زندگی کا ہر پہلو محتاجِ اصلاح و تجدید تھا، خود برکلے جانسن کو ایک خط مین لکھتا ہی کہ "مادی اور روحانی دونون حیثیات سے کار خیر کے لیے یہان نیو انگلینڈ (امریکہ) سے دس گنے زائد مواقع موجود ہین۔

لامذہبی کی روک تھام برکلے نے ان تمام حالات کا نہایت تعمق سے مطالعہ کرکے سب سے اول تنزل کے اسباب اور وسائلِ اصلاح کا استقصا کیا، اور دو برس تک پیہم اپنے خیالات کو مختلف عنوانات سے ملک کے سامنے پیش کرتا رہا، مذہب سے عام بے التفاتی اور بد دینی کی روز افزون اشاعت کی جانب اربابِ حکومت کو توجہ دلائی، اور یہ دکھلایا کہ مذہبی عقائد و خیالات کا انسان کی زندگی اور اعمال پر نہایت عظیم الشان اثر پڑتا ہی، آدمی کا چال

چلن اس کے عقائد ہی کا نتیجہ ہوتا ہی، اس لیے مذہب و اخلاق کے اُن عقائد کی حفاظت، جو بدکاری سے بچاتے اور نیکوکاری کی طرف مائل کرتے ہین، حکومت کا اولین فرض ہی، کسی حکمران کا یہ کہنا کہ "لوگون کے اعتقادات سے بحث نہین ہین صرف انکے اعمال کی پرواہ کرتا ہون، اپنی کمزوری کا اظہار ہی"[1] ڈبلن مین ایک جماعت پیدا ہوگئی تھی، جو فسق و فجور اور الحاد و زندقہ کی علانیہ تعلیم دیتی تھی، انتہا یہ کہ اسی کام کے لیے ایک باقاعدہ سوسائٹی بنگئی تھی، برکلے نے ان شیاطین کی صرف تحریری پردہ دری پر قناعت نہین کی بلکہ ڈبلن جا کر کئی مہینے قیام کیا، لارڈ بشپ کی حیثیت سے دارالامراء کے متعدد اجلاسون مین شریک ہو کر اُن کے خلاف نہایت پرزور تقریرین کین، نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ کو ایک کمیشن بٹھانا پڑا، جسکی تحقیقات سے عجیب عجیب ناقابل اعادہ ابلیس کاریون کا انکشاف ہوا، اور بالآخران معلین فسق و فجور کو اپنے کردار کی قرار واقعی پاداش بھگتنا پڑی۔

اقتصادی اصلاحات بے شک ایک ایسی جمعیت کی بیخکنی جسکے وجود کی غایت ہی تعلیمِ فسق و فجور ہو، نہایت عظیم مذہبی اصلاحی فرض تھا۔ لیکن برکلے ہمارے آجکل کے مولویون کی طرح نرا بشپ نہ تھا، کہ چند بدزبان ملاحدہ کے خلاف صرف تقریر و تحریر یا حکومت کے زور سے انکی زبانون کا بند کرا دینا ہی دینی خدمات کی معراج سمجھتا۔ وہ ابنائے وطن کی عمرانی و اقتصادی فلاح اور انکی مادی رفاہ کو بھی اصلاح کے مہماتِ اعمال مین داخل جانتا تھا، چنانچہ اُسنے مستفسر (LUERIST) کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا، جو ۳۵ء سے ۳۷ء تک تین قسطون مین شایع ہوا۔ اسمین اُسنے استفسارات کے پیرایہ مین تمام ان دقائق اقتصادیات کی تعلیم کی ہی جو آج فلسفۂ معیشت یا علم الاقتصاد کے بنیادی اصول ہین۔ مل[2] نے بعض استفسارات کی نسبت لکھا ہی کہ "اگر برکلے اس نظریہ

---

[1] مقالہ بنام حکام صفحہ ۱۲۴ [2] دیکھو مفاوضات و مخاطبات جزء ۴ صفحہ ۱۸۴،

کی تکمیل کر دیتا تو آج آدم اسمتھ[1] کا پیشرو ہوتا، اتنا ہی نہین بلکہ نہایت کاوش و جانفشانی سے اُسنے اپنے عہد کے تمام ترقی یافتہ ممالک کی صنعت و تجارت کے اعداد و شمار مہیا کیے ہین اور ایک ایک کرکے بتلایا ہے کہ آئرلینڈ کی درآمد و برآمد کیا ہے، اُس پر بیرونی تجارت کا کتنا تسلط ہے، سیکڑون مصنوعات جو اجنبی ممالک کے بازارون سے حاصل کیے جاتے ہین، خود وطن ہی مین تیار کیے جاسکتے ہین یہ اعدادی تحقیقات آجکل کچھ زیادہ مشکل کام نہین ہوتا، لیکن دو سو برس پہلے اتنا آسان نہ تھا۔

استفسرا[ت] یہ استفسارات اگرچہ اٹھارھوین صدی مین حکومت و باشندگانِ آئرلینڈ کو مخاطب کرکے لکھے گئے تھے۔ لیکن ان کا اکثر حصہ آج بیسوین صدی مین ہندوستان کے حالات کے اسقدر مطابق ہے کہ صرف نام کے بدل دینے کی ضرورت ہے، اس ۵۰۰ صفحہ کے مختصر مجموعہ مین ہمارے مُلک کے فدائیانِ وطن اور مدعیانِ ملت پرستی خصوصاً مسلمانون کے لیے بیسیون اسباق و بصائر ودیعت ہین، افسوس ہے کہ ان استفسارات پر کوئی بسیط بحث و تبصرہ زیر تحریر کتاب کے موضوع سے خارج ہے، پھر بھی چند اقتباسات درج کیے بغیر کسی طرح آگے نہین بڑھا جاتا۔

۲۲۔ کیا تھوڑا روپیہ جو کاروبار مین لگ کر چکر کھاتا رہتا ہے، نتیجہ مین اس کثیر روپیہ کے مساوی نہین ہے جسکی گردش سست ہوتی ہے؟

۲۳۔ کیا روپیہ کی اصل حقیقت صرف اتنی نہین ہے کہ وہ ایک طرح کا ٹکٹ یا شمار کنندہ ہے؟ (یہ فلسفہ معیشت کے دقیق نکتے ہین)

۲۴۔ اگر دولت کا حقیقی سرچشمہ محنت ہے تو کیا ایک عقلمند حکومت کا فرض نہین ہے کہ کاہلی کے اسباب دور کرے"

۵۳۔ مجرمون کو امریکہ وغیرہ جلاوطن کر دینے کے بجائے کیا کوئی ایسی تدبیر نہین نکالی جاسکتی کہ وہ رفاہ عام کے لیے مفید بنائے جاسکین؟"

---

[1] اقتصادیات کا نامور عالم اور مدون جسکی سب سے مشہور کتاب "ثروۃ الامم" یا "دولتِ اقوام" ہے۔ انگلستان (۱۷۲۳-۱۷۹۰)

۵۶- کیا یہ صحیح ہے کہ ہالینڈ مین غربا کے لیے اپنی محنت و مشقت کے سوا کوئی اور سہارا نہیں ہے اور پھر بھی وہان کی
گلیون مین کوئی گداگر نہیں ملتا۔؟

۵۷- کیا وہ شخص جسکی عیش پرستی بیرونی صنعات کو ہضم کرتی چلی جاتی ہے اور جسکی جفاکشی مبادلہ کیلیے کوئی
دیسی صنعت مہیا نہیں کرتی، ملک کے لیے ایک عذاب نہیں ہے۔؟

۶۵- اگر فرانس اور فلینڈرس مین منقش ریشمی مصنوعات لیس وغیرہ کی تعلیم کے لیے مدارس ہوتے
تو کیا پھر وہ بھی انگلستان سے اتنا روپیہ کھینچ سکتے تھے؟"

۶۹- کیا فرش و فروش بنانے سے جلد تر کوئی صنعت سیکھی جاسکتی ہے؟ اور کیا ہماری عورتین تھوڑی
مدت اور زحمت مین اُن سے زیادہ خوبصورت دری قالین وغیرہ نہیں بنا سکتین جو ٹرکی سے آتے ہین؟

۱۰۴- جو لوگ اجنبی ممالک کے مشروبات کا استعمال کرتے ہین اور وہان کے سامان آرایش سے اپنے بچون کو
آراستہ کرتے ہین کیا وہ اسکے مستوجب نہیں ہین کہ ان کا شمار اجانب مین ہو؟"

۱۴۰- کیا ہم اُس فیشن پرستی کی بدولت تباہ نہیں ہورہے ہین جو کسی اور قوم کے لیے زیبا ہے؟ اور کیا مفلس
قوم کے لیے دولت مند قوم کی نقالی جنون نہیں ہے؟

۱۶۹- کیا ملک اس حال مین پنپ سکتا ہے کہ ہمارے ہان کا گوشت تو باہر بھیجدیا جاتا ہے اور خود ہمارے
مزدور آلوؤن پر زندہ رہتے ہین؟

۲۱۷- کیا دولتمندی کا ایک حقیقی اساس جفاکشی اور میانہ روی کے سوا اور کچھ ہے؟ کیا جفاکشی اور جوہر
ذاتی کے علاوہ تحصیل دولت کے اور تمام وسائل کا سدباب نہ کردینا چاہیے"

۲۴۸- کیا مذہبی آزاد خیالی کے موضوع کو بالاے طاق نہ کردینا چاہیے؟ اور کیا ہمارے آزاد خیالون کے
لیے اب وقت نہیں آگیا ہے کہ اپنے تمام افکار کو ملکی ترقی کے پیچھے منہمک کردین؟"

۳۲۶- کیا ہمارے اس جزیرہ کے لیے یہ بہتر نہ ہوتا کہ عیش پرست امرا و روسا جہازون مین بٹھا کر اجنبی ممالک

مین بھیجدیے جائین اور وہین رہین بجاے اِسکے کہ وطن مین رہکر اجنبی ممالک کے سامانِ تعیش پر اپنی ریاستین برباد کرین اور یہ مرض تمام سرزمینِ وطن مین متعدی ہو؟

۵۱۷- کیا لیڈرون اور وطن پرستون کے لیے اس سے زیادہ کوئی شی مستوجب ملامت ہو سکتی ہی کہ لوگون کو روزگار میسّر نہ آتا ہو؟ اور کیا ایسے وسائل نہین اختیار کیے جا سکتے، جنسے لنگڑے، لولے، اندھے اور بہرے تک بے روزگار نہ رہ سکین اور صناعی کی کسی نہ کسی شاخ سے اپنی روزی حاصل کر سکین؟

۵۱۵- کیا ایک زمانہ مین فرانس صرف سوتی کپڑون کی بدولت اسپین سے آٹھ ملین سالانہ نہین گھسیٹتا تھا؟

۵۱۸- کیا قریباً ۲۰۰ سال پہلے اسپین سے سوتی کپڑون کی تجارت مین ہمارا بھی معقول حصہ تھا؟ کس چیز نے اسکو فنا کیا؟

مقالہ بنام حکام وغیرہ "مقالہ بنام حکام" اور "اصول وطنیت" وغیرہ کے مختلف عنوانات سے برکلے نے اس قسم کی سبق آموز تحریری خدمات اور تنبیہات کا سلسلہ کچھ نہ کچھ آخر دم تک جاری رکھا، اکثر اسکے مقولے فطرت بشری کی رمز شناسی اور حکمت سے مملو ہوتے ہین، وہ جانتا ہی کہ کوئی بشر بشرہ کر اپنی ذاتی بھلائی یا اغراض سے قطع نظر نہین کر سکتا، اسلیے وہ "اصولِ وطنیت" مین حقیقی وطن پرست کی پہچان یہ بتلاتا ہی کہ

۲۷- "وطن پرست اپنی ذاتی فلاح کو رفاہ عام کے اندر تلاش کرتا ہی لیکن ایک خود پرست مکار رفاہ عام کو اپنی ذاتی اغراض کا غلام اور ماتحت قرار دیتا ہی۔ اول الذکر اپنی حیثیت ایک کُل کے جز کی سمجھتا ہی اور آخر الذکر خود اپنے ہی کو کل سمجھتا ہی"

رومن کیتھلک پادریون کے نام ایک اپیل شائع کیا ہی جسمین اُن سے درخواست کی ہی کہ اپنے اتباع کو محنت و مشقت کا عادی بنائین اور مجہولیت سے نفرت دلائین اسکے لیے طرح طرح کے موثر اسالیب سے کام لیا ہی۔ ساری کائناتِ فطرت کاہلون کے خلاف دلائل و امثال سے پُر ہی سلیمانؑ نے فرمایا کہ "او مجہول جا اور چیونٹی کو دیکھ" چیونٹی، مماکھی (BEETLE) اور تمام حشرات الارض بجز نر مماکھی (جسکی نسبت مشہور ہی کہ دوسرون کی مشقت سے پیٹ پالتا ہی) انسان کے لیے جفاکشی کی اسباق کی کتابین....

بس جب کاہل آدمی کسی مصرف کا نہین تو ... کا کوئی حق نہین دیمیر کا فرمان ہی لوگون سے کہو کہ کام کرین اور اپنی کمائی کی روٹی کھائین گدائی کی روٹی نہین دوسرون کے پسینہ کی کمائی ہوئی روٹی نہین بلکہ خود اپنی روٹی جو اپنی مشقت سے پیدا ہوتی ہی‘‘ ......[1]

یقیناً بونا جوتنا ایک ایسی ورزش ہی جسکی لطف بخشی نفع بخشی سے کم نہین ہی۔ یہ کاشتکار کو اپنے جھونپڑے سے نکالکر تازہ ہوا اور کھلے میدان مین لیجاتی ہی جسکی بدولت اسکی قسمت اُس مجہول آدمی سے بہت زیادہ قابلِ رشک بنجاتی ہی، جو پیال پر پڑا رہتا ہی یا دن بھر آگ کے پاس لیٹا رہتا ہی‘‘[2]

ایک آئرش جب کام کرتا ہوتا ہی تو حالت یہ ہوتی ہی کہ جہان کوئی گاڑی یا گھوڑا پاس سے نکلا تو وہ قطعاً اپنا کام بند کردیگا، اور جبتک وہ آنکھ سے اوجھل نہو جاے کھڑا ہوکر دیکھتا رہیگا۔ میر ایک ٹروسی نے لندن سے برسٹل تک کے سفر مین اسکو محسوس کیا کہ جس مزدور سے راستہ دریافت کرتا تھا وہ بے دریغ اور کام کا ہرج کیے جواب دیتا تھا، بجز ایک کے کہ اپنی کدال کے سہارے کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا اور یہ ایک آئرش نکلا[3]

’’مقالہ بنام حکام‘‘ مین حکومت کے فرائض اور تعلیم کے صحیح معیار کی نسبت لکھتا ہی کہ انسان ایک ایسا حیوان ہی جسکی عقل و جذبات دونون نہایت خوفناک ہین اسکے جذبات اسکو برائیون پر آمادہ کرتے ہین اور یہ عقل انکے حصول کی تدبیرین سکھلاتی ہی۔ اس سرکش حیوان کو پالتو اور مسخر بنانا اسمین عدل اور نیکوکاری کا ملکہ پیدا کرنا اُس کو بذریعہ تخویف برائیون سے دور رکھنا اور امیدون کے ذریعہ سے اچھائیات کی سرانجامی مین اسکی ہمت بڑھانا مختصر یہ کہ اُسکو سوسائٹی کے قابل اور اہل بنا دینا یہی سیاسی اور مذہبی تعلیمات کا مقصد اور ہر زمانہ کے حکما اور مصلحین کی مساعی کا منتہی رہا ہی اسی مقصد کے حصول کا موزون ترین نظام ہمیشہ صحیح تعلیم سمجھا گیا ہی‘‘[4]

[1] مصنفات ... کلرجز صفحہ ۲۸۸ [2] الضاً [3] مصنفات ... کلرجز ۳ صفحہ ۲۸۷ [4] مصنفات ... کلرجز ۳ صفحہ ۱۸۱،

انسان کے اعمال اسکے خیالات کا نتیجہ ہوتے ہین اس پر بیحد زور دیا ہو کہ انسان کے اعمال و اخلاق بہت کچھ اسکے خیالات و عقائد راسخہ ہی کا نتیجہ ہوتے ہین اسلیے صحیح اور مفید عقائد کا پھیلانا اور اُنکی حفاظت حکومت کا سب سے مقدم فرض ہے

"انسانی حالات کی نوعیت ہی ایسی واقع ہوئی ہو کہ یہ توقطعاً ناممکن ہو کہ تمام عوام الناس فلسفی بن جائیں یا تمام چیزون کو انکے علل و حقائق کی بنا پر جاننے لگین، ہم ہر روز دیکھتے ہین کہ ایک دوکاندار کو اپنا حساب رکھنے کے لیے، ایک ملاح کو جہاز رانی کے لیے، ایک نجار کو لکڑی کی پیمائش کیلیے صرف ایک بندھے ہوے قواعد یا (CONCLUSION) ہی کافی ہوتے ہین ان مین سے کوئی شخص اصول یا نظریات یعنی حساب و اقلیدس کے مبانی و دلائل کو نہین سمجھتا۔ یہی حال اخلاقی سیاسی اور مذہبی معاملات مین بھی ہو یہ ایک بالکل کھلی ہوئی بات ہو کہ جو عقائد و خیالات ابتدائے عمر مین آغاز فہم کے ساتھ ہی ذہن نشین کرا دیے جاتے ہین بے اسکے کہ انکی اصل حکمت کی ادنی جھلک بھی دکھلائی جائے، وہ بھی عمدہ نتائج پیدا کرتے ہین اور دنیا کے لیے نہایت ہی مفید ثابت ہوتے ہین یہ حقیقت ہر شخص پر گرد و پیش کے روزانہ مشاہدات سے روشن ہو سکتی ہو"

"جو خیالات شروع ہی سے، آہستہ آہستہ ذہن مین داخل کر دیے جاتے ہین وہ سب سے پہلے اپنا اثر جما لیتے ہین اور جڑ پکڑ جاتے ہین، پھر اس حیثیت سے کہ وہ انسانی افعال کا درحقیقت سب سے بڑا چشمہ ہین آگے چلکر بالعموم، انسان کی زندگی کو سرتاپا اپنے رنگ مین رنگ لیتے ہین، انسان کے افعال کے اصلی محرک دولت عزت اور قوت نہین ہین بلکہ وہ خیالات جو ان چیزون کی نسبت اسکے دل مین قائم ہو گئے ہین لہذا کسی مجسٹریٹ کا یہ کہنا کہ "کچھ مضائقہ نہین لوگ جس قسم کے خیالات چاہین رکھین مجکو صرف انکے افعال سے سروکار ہو" اُسکی کمزوری کی دلیل ہو، کیونکہ آدمی کے جیسے خیالات ہوتے ہین ویسے ہی اسکے افعال ہونگے"

ایک دقیق نکتہ جس جملہ کو، اوپر کی عبارت مین ہمنے خط زدہ کر دیا ہو اس مین جو نکتہ برکلے کے قلم سے نکل گیا ہو، اُسکی قدر کسی دقیق النظر عالم نفسیات اور فطرت بشری کے رمز شناس سے پوچھیے!

عام طور پر لوگ سمجھتے ہین کہ انسان طرح طرح کی عیاریان اور عرق ریز کوششین مال و جاہ کی طلب مین کرتا ہے
لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل محرک وہ خیال ہے، جو کسی کے دل مین مال و جاہ کی برتری کی نسبت بیٹھ گیا ہے
چنانچہ اگر کسی کے ذہن مین عزت و ثروت کی وقعت نہو تو اسکی طلب کے پیچھے کبھی جان نہ دیگا۔

لیکن تم جانتے ہو کہ **برکلے** ہماری قومی مجالس کے اسٹیج کا تماشا گر نہین تھا کہ صرف
باتین بنا کر تسکین و قناعت حاصل کر لیتا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خود بھی اس پر عمل کی کوشش کرتا تھا۔

صنعت و حرفت کی عملاً ہمت افزائی | سوت کا کارخانہ

حیرت اور استعجاب کی حد نہین رہتی کہ ایک **فلسفی** اور بشپ دیسی
مصنوعات اور پیداوار کی ترویج و ہمت افزائی کے لیے خود ہی سن کی کاشت
کرتا تھا اور سوت بنانے کے لیے ایک بڑا کارخانہ کھول رکھا تھا، باوجود نفاست پسندی کے وطن ہی کی
بنی ہوئی بری بھلی چیزون کو استعمال کرتا تھا اور بیرونی مصنوعات سے انقطاع کر لیا تھا صنعت و حرفت
کی ترقی کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی جانب اتنی توجہ تھی کہ کہا جاتا ہے کہ "آئرلینڈ مین موسیقی اور مصوری
برکلے ہی کے گھر سے رواج پذیر ہوئی" اس کا مکان **دار الفنون** (آرٹ کا گھر) مشہور تھا، ہفتہ وار موسیقی
کی ایک بزم اسکے ہان منعقد ہوتی تھی جس مین محلہ کے لوگ بھی مدعو ہوتے تھے اپنے بچون کو موسیقی
سکھلانے کے لیے اطالوی ماسٹر نوکر رکھا تھا۔ خود مصوری وغیرہ کا ناقدانہ ذوق رکھتا تھا۔ ٹامس پرائر
نے کچھ تصویرین بھیجین، تو اُن پر آشنائے فن کی طرح تنقید کرتا ہے "تیسری تصویر نقلی اور بد رنگ ہے.....
عورت والی تصویر تو اچھی بنی ہے لیکن اطالوی قلم کی مہارت و حسن کو نہین پہنچی...."

جن مساعی مین دماغ و دل، ہاتھ اور قلم سب برابر کے شریک ہون وہ رائیگان کیسے جا سکتی تھین،
چنانچہ اس صدی کے وسط مین آئرلینڈ کے حالات مین عظیم تغیر ہو گیا، اور آج اس سر زمین مین زندگی کی
جد و جہد کی جو گرم بازاری ہے اسمین ہمارے لارڈ **بشپ** اور **مستفسر** کے مصنف کا کم حصہ نہین ہے،

قحط و وبا

۳۹ء کے آخر مین اتنا شدید پالا پڑا کہ دریا جم گئے، جسکی بدولت لازماً قحط پڑا اور ایسا شدید

پڑا کہ گیہون کا نرخ ۲۴ شلنگ فی کلاڈرکن تک پہنچ گیا، جو پھر کہین دو برس بعد جا کر ۱۳ شلنگ پر اترا، ہزارون آدمی فاقے سے مر گئے، ساتھی اسہال دم اور وبائی بخار آس پاس کے تمام مقامات مین پھیل گیا۔ جو سالہا سال تباہی کا باعث رہا تم سمجھ سکتے ہو کہ اس انسانی مصیبت مین ابنائے جنس کے اس ہمدرد پر کیا گذرتی ہوگی جو اپنے سے زیادہ دوسرون کے لیے زندہ تھا" اُس نے اپنے آرام و آسایش کی چیزین ترک کر دین۔ ہر دو شنبہ کی صبح بیس پونڈ کلاٹن کے محتاجون کو نقد تقسیم کرتا تھا۔ باورچی خانہ سے کھانا بٹتا تھا، بے روزگارون کو روزی سے لگانے کے لیے خود ہی زراعت شروع کر دی، ایک خط مین لکھتا ہے کہ "اس انتہائی پُر آشوب زمانے مین ہم روزانہ سو سے زیادہ آدمی کھیتی باڑی کے کسی نہ کسی کام مین پھنسائے رکھتے ہین، جسکی دیکھ بھال میری بیوی کرتی ہے، یہ ایک منفعت بخش کار خیر ہے"

طبی تحقیقات متعلق ماء القیر

اس اسہال دم اور بخار کی وبا نے بشپ فلسفی کی زندگی کا ایک اور بہت ہی عجیب کارنامہ ہمارے لیے چھوڑا ہے، برکلے جب امریکہ مین تھا تو وہان اس نے دیکھا کہ چیچک وغیرہ کے بعض امراض مین لوگ ماء القیر (ٹار واٹر) کا استعمال کرتے ہین۔ آئرلینڈ مین جسوقت وبائی بیماریان پھیلین تو اسکو دفعۃً خیال آیا کہ یہان بھی اس کا تجربہ کیون نہ کیا جائے۔ اس مین بعض احباب نے بھی ساتھ دیا چنانچہ ماء القیر کا مختلف امراض مین تجربہ کیا گیا اور خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہانتک کہ برکلے کو اس بات کا قطعی یقین ہو گیا کہ ماء القیر مین کوئی غیر معمولی عنصر حیات شامل ہے اور یہ تمام امراض کے لیے اکسیر ثابت ہو کر رہیگا چار پانچ سال اسی دُھن مین لگا رہا اور بالآخر ۱۷۴۴ء مین ایک ضخیم کتاب اسی موضوع پر لکھ ڈالی جسکا نام "ماء القیر کے فوائد پر فلسفیانہ تفحصات و تحقیقات اور بعض دوسرے باہم پیوستہ مباحث کا ایک سلسلہ" تھا، اس کتاب کی اشاعت کا یہ عالم ہوا کہ چند ہی مہینے کے اندر سرس کے نام سے دوسرا اڈیشن نکلا۔ فرانسیسی جرمن پرتگالی وغیرہ متعدد زبانون مین ترجمے شایع ہو گئے، لندن مین ماء القیر کے کارخانہ کھل گئے، پیشہ ور اطبا کے دلو مین رقابت کی آگ لگ گئی اور اُنھون نے اسے کہین زیادہ مخالفت کا طوفان برپا کر دیا جتنا اناالسٹ کی اشاعت

کے وقت علماے ریاضی نے کیا تھا لیکن اس مخاصمت نے سرس کی اشاعت و قبول مین اور زیادہ مدد دی (اس کتاب کا تفصیلی ذکر تصانیف کے ذیل مین آگے آتا ہی) ایام عزلت کے آخری ۱۰، ۱۲ سال کا بیشتر حصہ اسی ماء القیر کی تحقیقات اور مریضون کے علاج و معالجہ مین گذرا، اگست ۴۹ء کے ایک خط مین لکھا ہی کہ "ماء القیر کے استعمال کرنے والے مریضون کی مراسلت نے احباب سے مراسلت مین غیر منضبط بنا دیا ہی اکثر تاخیر ہو جاتی ہی"۔

قناعت و خودداری ۴۵ء مین آئرلینڈ کے جدید وائسرائے نے برکلے کی ان بے لاگ وطنی اور دینی خدمات کا اسطرح اعتراف کرنا چاہا کہ کلاٹن کے بجاے **کلوگھر** کے بشپ کا منصب پیش کیا جسمین مالی منافع بہت زیادہ تھے، لیکن ملک قناعت کے بادشاہ کے لیے یہ ترغیب کیا حقیقت رکھتی تھی اس نے صاف انکار کر دیا، کچھ دنون بعد **آرچ بشپ** کی جگہ خالی ہوئی جو مناصب کلیسائی کی معراج کمال ہی، احباب نے شدید اصرار کیا کہ وہ اسکے لیے اپنے کو پیش کرے مگر اسکی خودداری اور بے نیازی نے صرف یہ جواب دیا کہ "مین نہ تو **آرچ بشپ** کی نام کی عزت کا بھوکا ہون، نہ دولت کا طالب ہون، جسکو لندن کا ہر دوکاندار حاصل کر سکتا ہی"۔[۱]

اولاد کی تعلیم و تربیت برکلے کی ان مختلف الجہات مصروفیتون سے خیال ہوتا ہی کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر خود کوئی توجہ نکر سکتا ہوگا، معمولی والدین کی طرح بچون کو محض کسی اسکول کے "مزدور معلمین" پر چھوڑ دیا ہوگا، یا زیادہ سے زیادہ گھر پر کوئی ٹیوٹر رکھدیا ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عظیم پدری فرض کی نہ صرف اہمیت کا صحیح احساس رکھتا تھا، بلکہ ضعیف العمری اور دائم المرضی کی معذوریون پر بھی اُس نے اسکی ادائگی مین کبھی غفلت یا تقصیر نہین کی جسکا اندازہ تم خود اس کی بیوی کے ایک خط سے کر سکتے ہو، جو اُس نے شوہر کی موت کے بعد اپنے لڑکے جارج کو لکھا ہی:-

"تمھارے پیارے باپ کی دانائی اور مان کی خبر گیری نے کیسی ہوشیاری اور احتیاط سے تمھارے بچپن کو سنبھالا۔ اپنے آرام کے لیے ہمنے تم کو کبھی مزدور معلمین کے ہاتھون مین نہین چھوڑا۔ بچپنے مین تم خود اپنے باپ سے تعلیم پاتے تھے، وہ گو ضعیف العمر اور دائم المرض تھے لیکن اس فرض کو خود ہی انجام دیتے تھے، اور کسی دوسرے پر اسکو چھوڑنا نہین روا رکھا، تم انکی مشغولیت اور مسرت تھے، کوتاہ نظر لوگ تعلیم کی معمولی اور ادنیٰ لغزشون کو خطرناک نہین سمجھتے لیکن وہ جانتے تھے کہ بنیادی لغزشون کا کبھی علاج نہین ہو سکتا، اور کو پہلے ہی بسا دینا بعد کو شراب مین خوشبو پیدا کرتا ہے اسی لیے اُنھون نے تحفظ کو علاج پر ترجیح دی، جہانتک ممکن تھا وہ تمکو یا تو اپنے پاس رکھتے تھے یا اکیلا۔ . . . . ان کا خود شراب سے اجتناب تمھارے لیے اس سے کہین بہتر سبق تھا کہ وہ تم کو زبان سے روکتے۔ . . . . تم نے کبھی ان کو بدگوئی سے زبان آلودہ کرتے نہ سُنا ہوگا۔ . . جھصوصاً اتنا نرم مزاج شفیق صابر اور جفاکش باپ تو مین نے کبھی دیکھا ہی نہین"

بڑے لڑکے کی موت کا شدید صدمہ	قدرت کی بے رحمی دیکھو کہ اُس نے ایسی جفاکش اور پرورش کے سبب سے

پہلے ہی ثمر کو بوڑھے باغبان کے ہاتھ سے چھین لیا یعنی فروری ۱۸۵۱ء مین برکلے کا سب سے بڑا اور سب سے پیارا ہونہار اور نوعمر جگر پارہ ولیم نذر اجل ہوگیا۔ مان باپ کی کمر ٹوٹ گئی۔ برکلے کو اس کا جتنا شدید قلق ہوا ہوگا اس کا خفیف سا اندازہ ذیل کے خطوط سے کرو۔

"مین ایک ایسا آدمی تھا جو سیاسی دلچسپیون لوگون سے ملنے جلنے اور ان تمام چیزون سے جنکو دنیا لطف و مسرت کہتی ہے یکسر دست کش تھا، میرا سرمایہ ایک ننھا سا دوست تھا جسکی تعلیم ہمیشہ میری نگاہ کے سامنے ہوئی جسکی مصوری مجکو نشاط بخشتی تھی جسکی موسیقی مین سحر لیے دلکشی تھی، جسکی زندہ دلی اور خندہ مزاجی میری ہر وقت کی عید تھی خدا کی مرضی نے اُسکو مجھ سے لے لیا۔ اسکی خوبیون اور صورت شکل، اسکی معصومی اور دینداری خصوصاً اسکی

مجھسے غیر معمولی محبت، نے مجکو بہت ہی زیادہ اُس کا گرویدہ بنا رکھا تھا، مین صرف اس کا عاشق نہ تھا بلکہ اسپر مفتخر تھا مین نے اپنا دل بیحد لگا رکھا تھا۔ شاید اس سے بہت زیادہ جتنا اس دنیا کی کسی چیز مین لگانا چاہیے"

بچپن کے دوست ٹام کا انتقال

اسی سال اُس کے بچپن کے رفیق اور عزیز ترین دوست "پیارے ٹام" (ٹامس پرائر) کا بھی انتقال ہوا۔ نقرس و قولنج وغیرہ کی بیماریان انحطاط کاسن اور پھر ان صدمات نے برکلے کو بالکل ہی کہنا چاہیے کہ گرا دیا تھا۔ دینی اور وطنی خدمات کی تاب و توانائی نے جواب دیا، اور اب قرب موت کی حقیقی گوشہ نشینی کی آرزو تمام چیزون پر غالب تھی وصیت تک لکھ رکھی بشپ کے عہدہ سے استعفا بھیجدیا۔ لیکن منظور نہین ہوا۔ اور بادشاہ (جارج دوم) کو جب معلوم ہوا کہ کس کا استعفا ہے! تو تصریح کے ساتھ حکم صادر کیا کہ برکلے آخر دم تک بشپ برکلے ہی رہیگا" البتہ اسپر سے تمام منصبی ذمہ داریان اُٹھا لی گئین۔ اور پورا اختیار دے دیا گیا کہ جہان اسکی خوشی ہو رہے۔

اکسفرڈ

گو برکلے اب اور تمام چیزون سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ لیکن پدری فرائض سے چشم پوشی اب بھی وہ نہین گوارا کر سکتا تھا، اور اپنے دوسرے بچے جارج کی تعلیم کے خاطر بقیہ ایام زندگی اکسفرڈ یونیورسٹی کے زاویہ مین گذرانے کا فیصلہ کیا کہ اولاد کی تعلیم کم از کم اپنی نگاہ کے سامنے تو ہو۔ لیکن دراصل یہ ارض الموت کی کشش تھی۔ غرض اگست ۵۲ء مین برکلے اپنی بی بی بچی (جولیا) اور جارج کو ساتھ لیکر اکسفرڈ روانہ ہو گیا۔

یہان لوگون نے اسکو ہاتھون ہاتھ لیا ہو گا۔ یونیورسٹی کے حلقہ مین اس کا غیر معمولی احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے بعض مصنفات کا ایک مجموعہ اور السیفارن کا تیسرا ایڈیشن اسی زمانہ مین شایع ہوا۔ یہ علمی دنیا سے اس کا آخری خطاب تھا۔ اکسفرڈ کے عزلت کدہ

مین ابھی ۶ مہینے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ داعیِ اجل نے ۱۴ جنوری ۱۷۵۳ء کو دروازہ کھٹکھٹایا
موت " اتوار کا دن تھا، شام کا وقت. برکلے ایک کوچ پر لیٹا ہوا تھا، بال بچے پاس بیٹھے
تھے۔ بی بی تدفین کے وقت کی دعا زور زور سے پڑھ کر سب کو سنا رہی تھی، برکلے جابجا کچھ تنقید و
تشریح کرتا جاتا تھا۔ اتنے مین جولیا چائے لیکر گئی تو دیکھا باپ سو گیا ہے، لیکن یہ آخری نیند تھی"
برکلے کے وصایا کا ایک عجیب جزیہ تھا کہ میری لاش پانچ یا اس سے بھی کچھ زیادہ دن تک یونہی
بے غسل وکفن، انھی کپڑون اور اسی بسترِ موت پر بے چھیڑے پڑی رہنے دیجائے، چنانچہ اسکے
مطابق وہ موت کے چھٹے دن کرائسٹ چرچ کے احاطہ مین مدفون ہوا،

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اولئیم ۔۔۔ تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

زمین نے بے شک برکلے کے جسمِ خاکی کو اپنا پیوند بنالیا، لیکن اسکے کارنامون سے
ہزارون دل ودماغ قیامت تک زندگی حاصل کرتے رہین گے، اس مرنے والے کے زندگی
بخش حالات کو اب ہم اسکی بیوہ کے ایک خط تربیتِ اولاد کے ذکر مین اسی خط کا ایک ٹکڑا
درج کیا جاچکا ہے، کی چند سطرون کے اور اقتباس پر ختم کرتے ہین۔ جس سے اسکی سیرت کے
بعض پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے۔

"وہ اپنی گفتگو، صحبت اور مختلف مشاغل سے گھر کو خوش بنائے رکھتا تھا۔ اسکی سبق آمیز
گفتگو پر ایک گہرا اور پایدار اثر پڑتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کسی دوست کی غلطی یا راز کو کبھی فاش نہین
کرتا تھا۔ اکثر آدمی حسد سے دوسرون کی تحقیر لاطائل، بکواس اور بدگوئی کے حریص ہوتے
ہین۔ لیکن چونکہ وہ کسی کو اپنے سے بڑا یا شاید اپنے برابر بھی نہین پاتا تھا، اس لیے وہ
اکسی پر حسد کیونکر کرسکتا تھا؟ انسان اشیاء اور کتابون کے متعلق اسکا علم اتنا وسیع و ہمہ گیر
تھا کہ موضوعِ گفتگو کے لیے اسکو کبھی بغلین نہین جھانکنا پڑتی تھین۔ لیکن بالفرض اگر وہ

اتنا ہی بلید ہوتا ہے جتنا کہ متوقد الذہن تھا تو اُس کا ضمیر اور نیک باطنی اسکے لبون کو بند رکھتی بجاے اِسکے کہ ان کو کسی بھائی کی توہین اور بدگوئی کے لیے کھولے، وہ دل اور زبان دونون کا صاف تھا - یہ خوبیان کچھ وہ مان کے پیٹ سے ورثہ سے زیادہ لیکر نہین آیا تھا بلکہ خود جیسا کہ وہ کہا کرتا تھا اُسکے اکتساب کا زیادہ حصّہ تھا - وہ بارہ بجے اُٹھ کر چراغ جلاتا تھا، اور مطالعہ و عبادت مین مصروف ہو جاتا تھا، تواضع، نرمی، صبر، فیاضی، اور لوگون کی روحانی وجسمانی بہبود کا خیال ہی اُس کی تمام کوششون کا مقصود واحد اور اُسکی زندگی کی مصروفیت تھی"

تلك آثارنا تدل علينا

فانظروا بعدنا الى الآثار

تصنیفات

یون تو گننے کے لیے، برکلے کے نوشتجات، مکاتیب کو چھوڑ کر تیس سے اوپر ہین، جن مین سوا تین سو صفحات سے لیکر دو صفحہ تک کی تحریر شامل ہی، لیکن ان سب کو ملا کر بھی صفحات کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے آگے نہین بڑھتی۔ اور جن چیزون کو مستقل تصنیف یا کتاب کی حیثیت حاصل ہی، وہ دس سے زیادہ نہین۔ اس بنا پر برکلے کو ہابس، مل اسپنسر کی طرح ضخیم وکثیر التصانیف مصنفین کے زمرہ مین نہین شمار کیا جا سکتا ہی۔ اس نے خود بھی جانسن کو ایک خط مین لکھا ہی کہ "مین بڑی بڑی جلدین لکھ کر دنیا مین زحمت مین نہین ڈالنا چاہتا بلکہ مین نے جو کچھ لکھا ہی، وہ ان ارباب فکر و تامل کے لیے اشارات ہین، جو چیزون کی تہ مین گھسنے کے لیے اپنے اندر تجسس اور مہلت رکھتے ہین" مضامین بحث مین تنوع و تعدد کے لحاظ سے بھی اسکو کوئی خاص امتیاز حاصل نہین ہی۔ البتہ مواضیع تصنیف مین تباعد بہت کافی ہی۔ یعنی اگر ایک طرف خالص **الہیات** کے مباحث ہین، تو دوسری جانب ماء القیر کی طبی تحقیقات اور اقتصادیات عملی و ملکی کے مسائل ہین۔ آغاز تصنیف کی تین کتابون یعنی نظریہ رویت، مبادی، اور مکالمات ہائلس وفلونس کے علاوہ باقی اکثر تحریرین، خصوصاً مکالمات لسیفارن، سرس، اور مستفسر، وسیع النظری کی حیثیت سے نہایت حیرت انگیز ہین۔ قدیم وجدید فلاسفہ حکما، اور متکلمین مین شاید ہی کوئی ایسا ہو، جو دائرۂ واقفیت سے باہر ہو۔ ممالک یورپ کی زراعت، تجارت، صنعت و حرفت پر اقتصادی نقطہ نظر سے، اس کو

اِس قدر عبور ہی کہ اُس زمانہ مین اس سے زیادہ کا امکان نہ تھا۔

لیکن برکلے کی تصنیفی عظمت کا حقیقی راز ان چیزون سے ماورا ہی جس شے نے برکلے کو برکلے بنایا، وہ، وہ قوتِ انکشاف و اجتہادِ فکر ہی جسکی جھلک اُسکے علمی کارنامون کے ایک ایک صفحہ پر موجود ہی، اور جسکی بدولت وہ آج تاریخِ فلسفہ کا نقطۂ انقلاب سمجھا جاتا ہی۔ اس کا نظریۂ جدید، **علم النفس** کا عصرِ جدید ہی، اُسکی مبادیٔ الٰہیات مین مذہبِ **تصوریت**[1] کی موسس و متمم ہی۔ **اخلاقیات** مین وہ **افادیت**[2] کا بانی قرار دیا جا سکتا ہی۔ ریاضی کے مسلمات تک، جن کو ہر حکیم و فلسفی بے چون و چرا قبول کر لیتا ہی۔ اور جنمین شک شریعت سائینس کی رو سے کفر ہی، اس کے مجتہدانہ حملون سے محفوظ نہ رہ سکے۔

سوانح کے ساتھ ہم نے برکلے کے تقریباً تمام نوشتجات کا کچھ نہ کچھ ذکر کر دیا ہی اسکے علاوہ چونکہ ہمارا اصل موضوع فلسفۂ برکلے ہی اس لیے کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہم ذیل مین محض اُن کتابون سے بحث کرینگے جو براہ راست یا ضمناً فلسفیانہ مصنفات خیال کیے جاتے ہین۔ باقی ڈیاٹو، مکالمات السیفارن اور سرس، صرف ضمنی حیثیت اس بحث کی تحت مین آسکتی ہین۔

۱۔ جدید نظریہ رویت

یہ کتاب دراصل برکلے کے فلسفہ کی تصویر کا ایک رُخ ہی، جو سال کے بعد مبادی کے صفحات پر اپنے تمام خد و خال کے ساتھ نمودار ہوئی۔ اور جسکا ماحصل یہ تھا کہ کسی شے کا احساس و ادراک ہی اس کا حقیقی وجود ہی، کسی محسوس چیز کا نفس مدرک اور احساس کرنے والے ذہن

[1] دیکھو عنوان فلسفۂ تصوریت [2] دیکھو ذکر السیفارن"

سے الگ اور باہر، وجود ماننا ایک صریحی تناقض ہی، لہذا سب سے مقدم کام یہ تھا کہ نہایت وضاحت و تفصیل کے ساتھ اس بات کو طے کردیا جائے کہ محسوسات کے خارج از ذہن موجود ہونے کا اعتقاد کیونکر پیدا ہوتا ہی، اور خود خارج کی کیا ماہیت ہی۔

تمکو بہت ذرا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس اعتقاد کا دارومدار بہت کچھ اسپر ہی کہ ہم کو اپنے محسوسات عیاناً ذہن سے الگ اور خارج مین دکھائی دیتے ہین۔ ہم آنکھ کھول لیتے ہین، تو مکان، درخت، حیوانات وغیرہ اپنی ذات سے مختلف فاصلون پر نظر آتے ہین۔ اِن چیزون کے مختلف قد و قامت (امتدادات) اور وضع یعنی چیت، ہٹ، سیدھا، اور الٹا ہونا، یا کسی کا نیچے ہونا، کسی کا اوپر، کسی کا داہنے، کسی کا بائین، یہ تمام باتین کھلم کھلا آنکھ سے نظر آتی ہین۔ اِس لیے گویا اشیا کا وجود خارجی ایک مرئی حقیقت ہی جسکا کسی طرح انکار نہین کیا جا سکتا۔ اس اعتراض کی اہمیت سے برکلے اچھی طرح خبردار تھا[1] اسلیے اپنا اصلی فلسفہ پیش کرنے سے پہلے اس عالمگیر غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے اُسنے نظریۂ رویت پر قلم اُٹھایا، جس کا موضوعِ بحث خود اُسی کے الفاظ مین یہ ہی "میرا مقصد یہ بتلانا ہی کہ چیزونکے فاصلہ (بُعد)، امتداد اور باہمی وضع کا احساس ہمکو حاسۂ بصر کے ذریعہ سے کیونکر حاصل ہوتا ہی نیز اس فرق پر غور کرنا، جو تصوراتِ بصر اور تصوراتِ لمس کے مابین ہی، ساتھ ہی یہ معلوم کرنا کہ کیا کوئی ایسا تصور ہی جو مشترکہ طور پر لمس و بصر دونون سے محسوس ہوتا ہو" (ابتداءِ نظریۂ رویت)

اِس کتاب کے مہماتِ مباحث کی تحلیل چار اجزا مین کی جا سکتی ہی جنکو ہم ذیل مین یکجا درج کرکے علی الترتیب بحث کرتے ہین۔

---

[1] دیکھو مبادی، بند

۱۔ امتداد (طول، عرض، عمق) شکل (مثلث، مربع، مدور، وغیرہ ہونا) حرکت (انتقال مکانی) خارجیت (فاصلہ، مکان، یا بعد) وضع، مزاحمت، وصلابت کے تصورات حاسہ لمس سے حاصل ہوتے ہین۔

۲۔ حاسہ بصر سے براہ راست وبالاصل صرف رنگ و روشنی اور اُن کے مراتب مختلفہ کے تصورات کا علم ہوتا ہی۔ امتداد، شکل اور حرکت کے تصورات بھی مرئی کہے جاسکتے ہین۔ لیکن ان مین اور لمس کے تصوراتِ امتداد، شکل وحرکت مین باہم کسی طرح کی مماثلت نہین ہوتی، اور اُن کا وجود بھی رنگ کی طرح حاسۂ بصر سے باہر نہین ہوتا۔

۳۔ خارجیت یعنی فاصلہ، بعد یا مکان کا تصور مطلقاً حاسۂ بصر سے نہین حاصل ہوتا۔ نہ کوئی ایک ہی تصور ایک سے زائد حاسون سے مشترکاً محسوس ہوسکتا ہی۔

۴۔ حس بصر ایک طرح کی زبان ہی، جس کے الفاظ (تصورات بصری) اپنے معانی (تصورات لمسی) پر دلالت کرتے رہتے ہین، ائتلافات ذہنی کی بنا پر تصورات بصری سے تصورات لمسی کی جانب اسی طرح بلاشعور ذہن کا انتقال ہوجاتا ہی جس طرح کسی لفظ سے اُس کے معنی کی جانب۔ اور ان دونون مین کوئی لزومی علاقہ نہین ہوتا۔

پہلا مقدمہ تو عامی اور فلسفی سب کے مسلمات میں شامل ہی۔ کون نہین جانتا کہ ایک مادرزاد اندھا چھوکر چیزون کی لمبائی، چوڑائی، موٹائی، گولائی وغیرہ کا پتہ لگا لیتا ہی۔ اسکے جسم پر کوئی کیڑا رینگتا ہی، تو اُسکی حرکت صاف محسوس ہوتی ہی، کسی چیز کو چھونے کے لیے اپنے جسم کو حرکت دیکر اس تک پہنچنا پڑتا ہی اس حرکت مین ایک زمانہ صرف ہوتا ہی جس سے اس کو چیزون کے مختلف فاصلون اور دوری و نزدیکی کا تصور حاصل ہوتا ہی مکان یا بعد کا تصور بھی اُسی حرکتِ جسم سے ماخوذ ہوتا ہی۔ اسی طرح یہ اندھا، اپنے سر قدم مین ویسا ر،

کی نسبت سے اوضاع کا علم حاصل کرتا ہے۔ مثلاً اس کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس کو وہ نیچے سے اوپر تک ٹٹولتا ہے، جس سے مختلف لمسی احساسات پیدا ہوتے ہین۔ ان مین سے بعض کا نام سر ہے اور بعض کا پیر جس حصہ جسم کو زمین سے قریب تر پاتا ہے اُس کو نیچے کہتا ہے اور جس کو اس سے بعید تر محسوس کرتا ہے اس کو اوپر کہتا ہے۔ پھر جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے تمام اعضائے جسم مین سر زمین سے بعید تر ہے، تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی سیدھا کھڑا ہے لیکن اگر دفعتہً اس کی آنکھین کھُل جائین تو جب تک بصری اور لمسی احساسات کے ساتھ ساتھ تجربات سے ائتلافات ذہنی نہ پیدا ہو لین، اُس کو پتہ نہ چلے گا، کہ فلان آدمی سیدھا کھڑا ہے، یا اُلٹا۔ باقی صلابت و مزاحمت تو کہنا چاہیے کہ لمس کے احساسات مخصوصہ مین ہین۔ کیونکہ جب کوئی شے ہمارے جسم کو حرکت سے روکتی اور نفوذ سے باز رکھتی ہے، تب ہی ہم کو مزاحمت کا حس ہوتا ہی اور اسی نفوذ کے مختلف مدارج احساسات کا نام صلابت یا رقت ہی۔

دوسرے مقدمہ کے اتنے جز مین تو کسی کو کلام ہی نہین کہ رنگ اور روشنی بصر کے سوا کسی اور حاسہ سے نہین محسوس ہوتے ساتھ ہی یہ بھی مسلم ہو چکا ہی کہ رنگ و روشنی کا احساس محض ذہنی ہے۔ البتہ یہ امر بحث طلب ہے کہ بصر سے صرف رنگ و روشنی ہی کا احساس ہوتا ہی۔ باقی امتداد و شکل براہ راست آنکھ سے نہین محسوس ہوتے، یا جو امتداد و شکل مرئی یعنی محسوسِ بصر ہے وہ اس امتداد و شکل سے کوئی مناسبت نہین رکھتا، جو چھونے سے حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ کلیۃً ایک ذہنی شے ہے جسکا حاسہ سے باہر وجود نہین۔ کیونکہ علی العموم یہ سمجھا جاتا ہی کہ جو امتداد و شکل چھونے سے محسوس ہوتا ہی، وہی بعینہ براہ راست

دکھائی بھی دیتا ہے۔ دونون مین کوئی فرق نہین، اور دونون حقائق خارجی ہین لیکن برکلے صرف لسی امتداد و شکل کو خارجی حقیقت مانتا ہے، باقی بصری امتداد و شکل کو اول الذکر سے بالکل مختلف اور محض ذہنی قرار دیتا ہے۔

ایک ہی شے مختلف فاصلون اور حالات کے اندر مختلف اشکال و امتدادات کی نظر آتی ہے۔ مثلاً ہم کو نہایت دور کوئی دھندلی دھندلی شے دکھائی دیتی ہے جسکے بارے مین یہ نہین کہا جا سکتا کہ آدمی ہے، درخت ہے، جانور ہے، یا کوئی اور شے، جیسا جیسا ہم اسکے قریب ہوتے جاتے ہین، اس کے امتداد و شکل کے تصورات مین بھی تفاوت پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہان تک کہ جب ہم اُس کے پاس پہنچ جاتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جانور ہے۔ اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس وقت جو قد و قامت یا شکل و شباہت اس جانور مین نظر آتی ہے، وہ وہی ہے، جو پہلے ایک میل کی دوری پر یا اسکے بعد کے مختلف فاصلون سے دکھائی دیتی تھی۔ اتنا ہی نہین، بلکہ اگر ہماری آنکھونکی ساخت کچھ مختلف ہوتی، تو اس وقت پاس کھڑے ہوے، اس جانور کی جو شکل اور قد آنکھ سے محسوس کر رہے ہین، اس سے بھی یہ بڑا یا چھوٹا نظر آتا، جیسا کہ بعض دوسرے حیوانات کو ایک ہی فاصلہ سے ایک ہی چیز کا قد اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے جیسا انسان کو نظر آتا ہے بلکہ اگر ہم خود چھوٹے چھوٹے کیڑون کو خوردبین وغیرہ آلات کی مدد سے دیکھتے ہین تو ان کا امتداد اور ان کی شکل مین اس امتداد و شکل سے زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے جو معمولی آنکھون سے محسوس ہوئی تھی۔ اسی قسم کی بیسیون اور مثالین پیش کیجا سکتی ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالات کے اختلافات سے ایک ہی چیز مختلف امتدادات اور شکلون کی دکھائی دیتی ہے۔ اب تم ہی ذرا سوچکر بتلاؤ کہ ان سیکڑون متفاوت اشکال و امتدادات

مین سے کس بنا پر ایک کو حقیقی یا لمسی امتداد و شکل کا مرئی مثنیٰ یا مماثل کہا جا سکتا ہی یا یہ کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہی کہ فلان شکل و امتداد جس کو ہم دیکھ رہے ہین بعینہ وہی ہی جو چھونے سے محسوس ہوا تھا، پھر یہ بھی نہین کہا جا سکتا کہ یہ تمام تناقص امتدادات و اشکال جو مختلف فاصلون سے نظر آتے ہین، سب کی سب کسی ایک شے کے واقعی یا لمسی اشکال و امتدادات ہین، لہذا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ اُن بصری امتدادون اور شکلون کا وجود حاسہ بصر یا ذہن سے باہر نہین ہی، اسکے علاوہ اتنا تو تقریباً تمام حکماء و فلاسفہ قبول کرتے ہین کہ رنگ کا وجود ذہن سے باہر نہین، تو پھر امتداد و شکل، جو رنگ ہی کی خاص خاص مقادیر ہین اور جنکا رنگ سے مجرد و منفصل وہم مین بھی تخیل نہین کیا جا سکتا، کیونکر ذہن سے باہر موجود ہو سکتے ہین۔

اصل دھوکا یہ ہی، کہ بلا کسی آلہ کی اعانت کے ایک خاص قربت سے انسان کو علی العموم کسی شے مین جو شکل و امتداد نظر آتا ہی، اس کو وہ غلط فہمی سے واقعی اور خارجی قرار دے لیتا ہی۔ اس مین شک نہین کہ ایسا کرنا عملی زندگی کے کاروبار کے لیے نہ صرف مفید، بلکہ ناگزیر تھا، اس لیے ہزارون سال کے تعصبات و استعمالات کے بعد اب فلسفیانہ حیثیت سے بھی اس غلط فہمی کو دور کرنا آسان نہین ہی۔ چنانچہ جہان اکثر علمائے نفسیات و فلاسفہ نے برکلے کے اس انکشاف عظیم کو قبول کر لیا ہی، وہان بہتیرے ایسے بھی ہین جو آجتک مخالف ہین۔ اس مخالف جماعت کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہین ان مین بہت زیادہ اس پر زور دیا جاتا ہی کہ کوئی نہ کوئی امتداد و شکل تو ہم کو آخر محض آنکھ سے نظر ہی آتا ہی، خواہ وہ غیر حقیقی ہی کیون نہو۔ لیکن یہ دراصل ایسے لوگون کا اعتراض ہے جنھون نے خود نظریۂ رویت کو کبھی غور سے پڑھنے کی زحمت گوارا نہین کی۔ بلکہ اِدھر اُدھر سے ایک بات لے اُڑے، ورنہ اتنا تو خود برکلے نے تسلیم کیا ہی جیسا کہ تم کو ابھی معلوم

ہو چکا ہی کہ ایک طرح کے بصری استداد و شکل کا بھی وجود ہی لیکن وہ حاسۂ بصر، ذہن سے باہر نہین ہی اور نہ اُس خارجی و حقیقی استداد و شکل کے مماثل ہی، جو چھوکر محسوس ہوتا ہے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نظریۂ رویت مین برکلے محسوسات لمس کو خارجی اور واقعی مانتا ہی۔ اسی لیے یہ اس کے فلسفہ کا صرف ایک رُخ یا ایک کڑی ہی۔

ہم اوپر کہہ آئے ہین کہ چیزون کے موجود فی الخارج ہونے کا اذعان زیادہ تر اسپر مبنی ہی کہ وہ علانیہ ہمکو مختلف فاصلون پر نظر آتی ہین، اور یہ فاصلے بالذات مرئی الیقین کیے جاتے ہین۔ لہذا تیسرے دعوی کو برکلے کے اصل فلسفہ سے قدرتاً زیادہ قریبی تعلق ہی اور اسی لیے اُسنے علی الاطلاق یہ ثابت کرنا چاہا، کہ فاصلہ کسی حیثیت سے بھی محسوس بصر نہین بلکہ قطعاً غیر مرئی ہی، البتہ گذشتہ تجربات اور ائتلافات ذہنی کی بنا پر مختلف علائم بصری کے ذریعہ سے مختلف فاصلون کی طرف نہایت تیزی سے بلاشعور ذہن منتقل ہوجاتا ہی۔ جس سے ہم کو یہ دھوکا ہوتا ہی کہ خود فاصلہ دکھائی دیتا ہی۔

برکلے نے جس طریقہ سے اس دعوی کا اثبات کیا ہی اس کو دراصل تحلیلی یا تشریحی استدلال کہنا چاہیے یعنی افعالِ ذہن کی تحلیل سے یہ دکھایا گیا ہی کہ جس چیز کو براہ راست محسوس بصر خیال کرتے ہو وہ حقیقت مین مکسوب بصر ہی، اور ایسے ائتلافات ذہنی موجود ہین، جن سے اُسکے مکسوب ہونے کی پوری طرح توجیہ ہوجاتی ہی۔ لہذا اُس کو ایک مستقل حاسہ کی جانب منسوب کرنا غیر ضروری اور بے ثبوت بات ہی۔ مل نے تو یہان تک کہدیا کہ جن علامات بصری کی وساطت سے ہم فاصلہ اور بعد کا تصفیہ کرتے ہین انکا تعلق ہمارے ادراکاتِ فاصلہ کے ساتھ بعینہٖ اِسی قسم کی شہادت پر مبنی ہی جس سے دوسری چیزون مین علت و معلول کا علاقہ ثابت کیا جاتا ہی، یعنی جب علت موجود ہوتی ہے تو

معلول کا بھی ظہور ہوتا ہی، جب علت نہین پائی جاتی تو معلول بھی نہین وقوع پذیر ہوتا، اور جب علت مین کوئی تغیر واقع ہوتا ہی تو معلول بھی متغیر ہو جاتا ہی چنانچہ مثلاً جب ہم کسی چیز کو دوربین سے دیکھتے ہین تو اس آلہ کا بصری اثر صرف یہ ہوتا ہی کہ یہ چیز فضاے رویت کے اُس سے زیادہ حصہ کو گھیر لیتی ہی جتنی بے اس آلہ کے گھری ہوئی نظر آتی تھی، اور اسیوجہ سے ہم یہ خیال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہین کہ اب ہمکو یہ چیز پہلے سے بڑی دکھائی دیتی ہی اور چونکہ بڑی دکھائی دیتی ہی اسی لیے پہلے سے قریب تر بھی معلوم ہوتی ہی" پھر ایک آدھ مثال اور دیکر کہتا ہی کہ "جب کوئی معیار (علامت)... نہین موجود ہوتا تو ہمکو مطلقاً فاصلہ نہین دکھائی دیتا۔ مثلاً سماوی اجسام کہ جنکے فاصلون کے اختلاف کا ہمکو کوئی احساس نہین ہوتا اسی لیے وہ سب کی سب اُدھی فاصلہ پر معلوم ہوتے ہین"۔[1]

اس سے تو کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ زیادہ دور کی چیزون کے فاصلہ کا جو اندازہ کیا جاتا ہی وہ حس سے زیادہ اُن علائم سے ماخوذ ہوتا ہی جنکے اختلاف کا فاصلہ کے قرب و بعد کے اختلاف کے ساتھ ہمکو متواتر اور روزانہ تجربہ ہوتا رہتا ہی، ان علائم مین سے ایک کی مثال مل کے اقتباس مین گذر چکی یعنی مرئی چیز کا کبر و صغر، جس سے علی الترتیب اُس کے قرب و بعد کا ہمکو اسی طرح علم ہوتا ہی جس طرح کسی شخص کے چہرہ کی زردی اور سُرخی سے خوف و شرم کا۔ حالانکہ یہ کوئی نہین کہتا کہ ہم خوف یا شرم کو بالذات دیکھتے ہین۔ بعض اور علائم کی مثال سے اس نظریہ کی مزید تحلیلی توضیح کے لیے ہم خود برکلے کی عبارت نقل کرتے ہین۔

"مین ایک چیز کو دیکھتا ہون جو ایک مخصوص مرئی رنگ و شکل کی نظر آتی ہی جسکے

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۶۱ وزرٹشینس اینڈ ڈسکشنس از جان اسٹورٹ مل جزء سکنڈ ایڈیشن مطبوعہ لندن۔

ساتھ ایک خاص حد تک دھندلا پن اور بعض اور ایسے حالات بھی شامل ہیں، جن سے
میں اپنے گذشتہ مشاہدات کی بنا پر یہ فیصلہ کر لیتا ہوں کہ اگر میں اتنے قدم یا اتنے میل آگے
بڑھوں تو فلاں فلاں تصورات لمس سے متاثر ہوں گا، لہٰذا درحقیقت اور صحیح معنی میں نہ
تو میں خود فاصلہ کو دیکھتا ہوں، اور نہ وہ چیز جسکو ایک خاص فاصلہ پر موجود سمجھتا ہوں.....
..... یہ تو خود میرا حال ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ جو شخص بھی خود اپنے خیالات کی توجہ
سے پڑتال کرے گا، اور اس بات کو سوچے گا کہ جب وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز مجکو ایک فاصلہ پر
دکھائی دیتی ہے، تو اُس کی مراد کیا ہوتی ہے، تو وہ مجھ سے اتفاق کرے گا کہ جس شے کو وہ
دیکھتا ہے وہ صرف اس کے ذہن کو اس جانب منتقل کر دیتی ہے کہ ایک خاص فاصلہ طے
کرنے کے بعد (جو اس وجہ سے کہ اپنے جسم کی حرکت سے ناپتا ہے محسوس لمسی ہے) وہ ان
فلاں فلاں لمسی تصورات سے دوچار ہوگا، جو فلاں فلاں مرئی تصورات کے ساتھ بالعموم
وابستہ رہتے ہیں[1]"

اس اقتباس میں جس علامت کی تشریح ہے وہ چیزوں کا دھندھلے پن یا صفائی
کے ساتھ نظر آنا ہے جن کے مختلف مراتب سے ہم فاصلہ کے تفاوت کا اسیطرح قیاسی
علم حاصل کرتے ہیں جس طرح صغر و کبر سے یعنی جسقدر کوئی چیز دھندھلی دکھائی دیتی ہے
اسی قدر ہم اس کو دور سمجھتے ہیں اور جسقدر صاف ہو اسی قدر قریب خیال کرتے ہیں۔
اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ تحلیلی استدلال سے اُسی وقت پوری تشفی حاصل ہوتی ہے
جب آدمی خود سوچے، اسلیے جیسا کہ برکلے نے کہا ہے تمکو خود غور کرنا چاہیے کہ کس طرح
علائم بصری سے بالواسطہ فاصلہ کا علم ہو جاتا ہے۔

---

[1] جدید نظریہ رویت بندہ ۴۴

اوپر کی مثالون اور تشریحات سے اتنا تو اچھی طرح واضح ہوگیا، کہ زیادہ دور کی چیزون کے فاصلہ کا اندازہ کسی چیز کی چھوٹائی، بڑائی، دھندھلے پن اور صفائی وغیرہ سے کیا جاتا ہی، اور وہ بالذات رنگ و روشنی کی طرح آنکھ سے نہین دکھائی دیتا۔ لہذا کوئی وجہ نہین، کہ قریبی فاصلے بھی اسی قانون کے ماتحت نہون، لیکن چونکہ وہ علائم یا نشانات جن سے قریب کی چیزون کی نزدیکی اور دوری کا ذہن پتہ لگاتا ہے، زیادہ بعید الفاصلہ چیزون کے علائم سے مختلف اور کسی قدر دقیق ہین، اس لیے آدمی کو نزدیک کے فاصلون مین اس امر کا زیادہ دھوکا ہوتا ہی کہ وہ براہ راست رنگ و روشنی کی طرح آنکھ ہی سے نظر آتے ہین مثلاً ایک شے جو چند قدم یا چند گز کے فاصلہ پر ہے، وہ اگر ایک آدھ قدم یا ایک آدھ گز آگے پیچھے ہٹ جاتی ہی، تو بڑائی، چھوٹائی یا صفائی اور دھندھلے پن کے لحاظ سے اس مین کوئی فرق نہین محسوس ہوتا، لیکن فاصلہ کی کمی زیادتی کا فوراً ادراک ہو جاتا ہی، جس سے قدرتاً ہم کو خیال ہوتا ہی کہ خود فاصلہ دکھائی دے رہا ہی۔ لہذا برکلے نے نہایت دقت نظر سے اُن علامات کا استقصا کیا ہی، جن سے نزدیک کی چیزون کے فاصلہ کا ہم استنباط کرتے ہین، یہ علامات کل تین ہین[1]۔

۱۔ جب دونون آنکھون سے ہم کسی شے کو دیکھتے ہین، تو جس قدر یہ ہم سے قریب یا دور ہوتی جاتی ہی، اُسی نسبت سے دونون پتلیون کے بیچ کا فاصلہ کم یا زیادہ ہو جاتا ہی پتلیون کی اس حرکت سے ایک خاص عضلی حس پیدا ہوتا ہی جس سے فاصلہ کے تفاوت کا علم حاصل ہوتا رہتا ہی۔

۲۔ جب کسی چیز کو آنکھ سے بہت نزدیک کرلو تو وہ مختل نظر آنے لگتی ہی، اور جتنا ہی اُسکو

---

[1] جدید نظریہ رویت بند ۱۶، ۲۱ و ۲۷،

قریب تر کرتے جاؤ گے اتنا ہی یہ اختلال بڑھتا جائے گا جس سے اور اختلال کے مختلف درجات مین عادتًا ایک علاقہ پیدا ہوجاتا ہی، لہٰذا جس نسبت سے اختلال زیادہ ہوتا ہی اسی نسبت سے فاصلہ کم محسوس ہوتا ہی اور جسقدر اختلال کم ہوتا ہی یعنی چیز صاف نظر آتی ہی اسی قدر فاصلہ زیادہ معلوم ہوتا ہی۔

۳۔ لیکن ہم اپنی آنکھون پر ایک حدتک زور دیکر اس اختلال کو کچھ دیر کے لیے روک سکتے ہین اس حالت مین آنکھون پر زور دینے سے جو حس پیدا ہوتا ہی وہ اختلال نظر کے حس کا قائم مقام ہوجاتا ہے، اور اُس کے مختلف درجات سے فاصلہ کے تفاوت کا اندازہ ہوجاتا ہی یعنی جتنا ہی زیادہ زور پڑتا ہی اتنا ہی کم فاصلہ محسوس ہوتا ہی۔ وکذالک بالعکس۔

ان سہ گانہ علائم بصری سے فاصلون کے اختلاف وتفاوت کی جانب جسطرح بالواسطہ ذہن کا انتقال ہوتا رہتا ہی اس کا ہر آدمی بجائے خود تجربہ کرسکتا ہے۔ اور ذرا سی توجہ کے بعد یہ روشن ہوسکتا ہی کہ آنکھ سے انسان کو فاصلہ کا بالکل اسی طرح علم ہوتا ہے جس طرح مکان سے "مین اپنے مطالعہ کے کمرہ مین بیٹھا ہون سڑک سے ایک گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سنتا ہون،...... آواز کے تفاوت سے گاڑی کے مختلف فاصلون کا بے دیکھے احساس ہوتا رہتا ہی..... اس طرح گویا مین فاصلہ کا کان سے بعینہٖ اسی طرح احساس کرتا ہون جس طرح آنکھ سے، لیکن با این ہمہ یہ نہین کہتا کہ مین فاصلہ سن رہا ہون، جیسا کہ یہ کہتا ہون کہ فاصلہ دیکھتا ہون۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ محسوساتِ لمس وبصر مین بہ نسبت محسوساتِ لمس وسمع کے، قیاس کا زیادہ موقع ہے۔ لہٰذا ایک آدمی کو زیادہ سہولت سے یقین آجاتا ہے کہ اجسام یا خارجی اشیا صحیح معنی مین سننے کی

چیزین نہین ہین، بلکہ سماعت کی شے صرف آواز ہی جسکے توسط سے کسی خاص جسم یا فاصلہ کے تصور کی جانب ذہن منتقل ہوجاتا ہی۔ برخلاف اس کے بصر و لمس کے تصورات مین جو فرق ہی اس کا تمیز کرنا زیادہ دشوار ہی، اگرچہ یہ قطعی ہی کہ بعینہ ایک ہی شے کو دیکھنا اور چھونا، اس سے زیادہ ممکن نہین ہی، جتنا ایک ہی شے کو سننا اور چھونا[1]۔ اسلیے یہ کہنا کہ فاصلہ محسوسِ لمس و بصر دونون ہی، ایک مہمل بات ہی۔

جب یہ طے ہوگیا کہ قوۃ لامسہ کے محسوسات، یعنی امتداد، بعد، فاصلہ وغیرہ کا باصرہ سے براہ راست احساس نہین ہوتا، بلکہ خاص مرئی علامات کے توسط سے لمسی احساسات کی جانب بے شعور ذہن کا انتقال ہوجاتا ہی جسکی وجہ ان دونون کا وہ مابینی علاقہ ہے جس کا ہمکو متواتر تجربہ ہوتا رہتا ہے، اور جو لازماً ان دونون کے مابین ذہنی ائتلافات پیدا کر دیتا ہی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان علائم بصر اور محسوسات لمس مین کوئی لزومی ارتباط نہین ہی، مثلاً موجودہ تجربہ کی رو سے جب کوئی چیز قریب تر ہوتی ہے تو بڑی نظر آتی ہی، اور بعید تر ہوتی ہے تو چھوٹی۔ جس سے بڑائی نزدیکی کی علامت بنجاتی ہی اور چھوٹائی دوری کی۔ لیکن فرض کرو کہ آنکھون کی ساخت ایسی واقع ہوتی کہ اسکے بالعکس تجربہ ہوتا، یعنی جب کوئی چیز قریب ہوتی تو چھوٹی دکھائی دیتی، اور دور ہوتی تو بڑی، تو یہ علامات بھی تو اپنی دلالت کے لحاظ سے الٹ جاتین، یعنی جب کوئی چیز چھوٹی نظر آتی تو ہم اسکو نزدیک سمجھتے اور جب بڑی نظر آتی تو دور۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس بڑائی یا چھوٹائی کو قرب یا بعد کیساتھ کوئی لزومی علاقہ نہین جسکی بنا ائتلاف ذہنی سے ماورا کسی اور چیز پر ہو۔ لہذا علائم بصر کو محسوسات لمسی سے وہی تعلق ہی، جو لفظون کو معانی سے جس طرح کسی لفظ سے معانی کی طرف

[1] نظریہ رویت بند ۴۶ و ۴۷،

محض تواتر استعمال اور ائتلاف ذہنی کی بنیاد پر ذہن دوڑ جاتا ہی، بعینہ اسی طرح ایک مرئی علامت سے لمسی محسوس کی جانب۔ تو گویا یہ علائم بصری ایک طرح کی زبان کا کام دیتے ہین، جسکو برکلے لسان الٰہی قرار دیتا ہی۔ جو ہمارے مقدمات اربعہ کا آخری نمبر ہی۔

ماحصل یہ ہی کہ جدید نظریۂ رویت کے وجود مین آنے سے پہلے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ خارجیت فاصلہ یا بعد اور شکل و امتداد وغیرہ کا حاسہ بصر سے اسی طرح بالذات و براہ راست احساس ہوتا ہی جس طرح حاسۂ لمس سے۔ برکلے نے یہ ثابت کیا کہ بعینہ کوئی ایک ہی شے مشترک طور پر براہ راست دو حاسون سے نہین محسوس ہوسکتی، البتہ ہر حاسہ مین اسکی قابلیت ہی کہ وہ اپنے خاص محسوسات کے توسط سے گذشتہ تجربات و ائتلافات ذہنی کی بنا پر، دوسرے حاسون کے احساسات کا اکتسابی طور پر علم حاصل کر سکتا ہی۔ لہذا فاصلہ و امتداد وغیرہ جو بالذات صرف قوۂ لامسہ سے محسوس ہوتے ہین، آنکھ سے انکا صرف اسطرح علم حاصل ہو جاتا ہی کہ رنگ و روشنی کے خاص خاص مرئی احساسات کے ساتھ جن مختلف لمسی احساسات کا تجربہ ہوتا رہا ہی انکی جانب مرئی احساسات سے اسی طرح ذہن منتقل ہو جاتا ہی جس طرح الفاظ سے معنی کی جانب۔ لیکن اگر کوئی شخص زبان سے ناواقف ہو، تو وہ ان لفظون سے کوئی مطلب نہین نکال سکتا، چنانچہ اگر ایک مادرزاد اندھے کی آنکھون مین دفعۃً بینائی آجاے تو اسکو رنگ و روشنی تو نظر آوے گی لیکن اس سے وہ اشیاء کے لمسی امتداد و فاصلہ پر استدلال نہ کر سکے گا اور لازماً اسکو کوئی شے اپنے سے دور یا نزدیک نہ معلوم ہوگی بلکہ ہر چیز آنکھ کے اندر یا زیادہ صحیح یہ ہی کہ ذہن مین محسوس ہوگی۔

اتفاق یہ کہ برکلے کی زندگی مین ۱۷۲۸ء مین چیسلڈن نامی ایک شخص نے ایک رسالہ مین کسی ایسے آدمی کے متعلق اپنے مشاہدات شایع کیے جو بچپن سے اندھا تھا لیکن بعد مدت

کے آنکھ مین روشنی آگئی، اس بیان کا اقتباس برکلے نے نظریۂ لسان بصری کا اثبات و تشریح کے نام سے جو رسالہ لکھا ہے، اُس کے آخری بند مین درج کیا ہے جسکے چند جملے یہ ہین۔

"جب پہلی مرتبہ اُس نے دیکھا تو وہ مختلف فاصلون کا تصفیہ کرنے سے اتنا ہی ناچار تھا کہ (جیسا کہ اُس نے ظاہر کیا) یہ خیال کرتا تھا کہ تمام چیزین اسکی آنکھون سے اسی طرح مس ہوتی ہین جسطرح وہ چیزین جنکو وہ چھوتا ہی کھال سے مس کرتی ہین...... نہ اسکو کسی چیز کی شکل کا پتہ چلتا ہی نہ وہ دو چیزون مین خواہ وہ شکل و امتداد کے لحاظ سے کتنی ہی مختلف کیون نہون فرق و امتیاز کرسکتا تھا، لیکن جب اسکو یہ بتلایا جاتا تھا کہ فلان چیز وہی ہی جسکی شکل کو تم پہلے چھوکر جانتے تھے، تو وہ اس کو نہایت غور سے دیکھتا تھا، تاکہ وہ دوبارہ اس کو پہچان سکے مگر چونکہ ایک ساتھ اُس کو بہت سی چیزین سیکھنا پڑتی تھین اسلیے وہ بہتون کو بھول جاتا تھا"

بعد مین اور بھی اسی صنف کے بہت سے تجربات کیے گئے ہین۔

برکلے کے اس انکشاف سے اُسکے اصل فلسفہ اور مبادی کے نظریۂ الہیات کی تائید ہویا نہو، لیکن علم النفس مین رویت کے اس نظریۂ جدید کی جو اہمیت و عظمت ہی اس کا دوست و دشمن سبکو اعتراف ہی اور آج یہ انکشاف عظیم کہنا چاہیے کہ نفسیات کے اُن اور مہات ابواب مین داخل ہی جسکو کوئی عالم نفسیات نظر انداز نہین کرسکتا۔ گذشتہ دو صدیون کے اندر اسکی تائید و تنقید پر جتنا لٹریچر پیدا ہوچکا ہی اس کو اگر یکجا کردیا جائے تو ایک دفتر کا دفتر بن جائے گا۔

۲۔ مبادی علم انسانی

یہی کتاب برکلے کا وہ کارنامہ ہی جسکی بنا پر یہ کہنا بالکل مبالغہ ہی کہ وہ فلسفۂ جدید

کا کوپرنیکس ہی جس طرح کوپرنیکس کے انکشاف نے ہزارہا سال کے نظام ہیئت کو بالکل الٹ دیا، اور متحرک کو ساکن، ساکن کو متحرک کر دکھایا، اسی طرح مبادی کے نظریہ الہیات نے فلسفہ کا رخ ادھر سے ادھر پھیر دیا جس چیز (مادہ) کو سیکڑوں ہزاروں سال سے قدیم وجدید فلاسفہ ناقابل انکار حقیقت یقین کرتے چلے آتے تھے وہ محض ڈھوکے کی ٹٹی اور ایک فرضی شے نکلی۔ مل نے لکھا ہے کہ برکلے کے مابعد و ماقبل کے فلسفہ مین اتنا ہی عظیم الشان فرق پیدا ہوگیا ہی، جتنا قدیم وجدید تاریخ یا طبیعیات مین[1]۔

ہم کو اصل مین اسی کتاب نے اسپر آمادہ کیا کہ ہندوستان کی وسیع ترین زبان کو فلاسفہ کے زمرہ مین سب سے اول برکلے سے واقفیت کا شرف حاصل ہونا چاہیے کتاب کے اصلی مباحث سے پہلے ایک مبسوط مقدمہ ہے، جو کل کتاب کا تقریباً ایک ربع ہی، اس مین تمام تر اس پر بحث ہی کہ تصورات مجردہ یا کلیات کا ذہن مین مطلق وجود نہین۔ اسپر برکلے نے بہت زیادہ زور اسلیے دیا ہی کہ اسکے نزدیک مادہ کا اعتقاد عقیدۂ تجرید ہی کے سیئات مین داخل ہی۔ مل نے تو اس کو برکلے کے ان انکشافات ثلثہ مین شمار کیا ہی جنمین سے ہر ایک بجاے خود اسکی عظمت کے لیے کافی ہے بقیہ دو جدید نظریہ رویت، اور مبادی کا نظریہ الہیات مین، چونکہ اپریل ۱۹۱۷ء کے معارف مین "تصورات کلیہ" کے عنوان سے اسی بحث پر ایک تفصیلی مقالہ شایع ہوچکا ہی، اس لیے بخوف طوالت ہم یہان اسکو نظر انداز کرتے ہین۔ باقی اصل کتاب کو خود مصنف نے تین مباحث پر تقسیم کیا ہے جن مین سے اول نظریہ کی تشریح و اثبات ہے۔ اسی لیے وہ سب سے زیادہ اہم ہی۔

[1] دیکھو ڈسرٹیشنس اینڈ ڈسکشنس جزو ۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸ و ڈسرٹیشنس صفحہ ۵۵،

۱۔ دعویٰ یہ ہر کہ ذہن اور ادراکات ذہنی کے ماورا کائنات مین کسی تیسری چیز کا وجود نہین ثابت ہوتا۔ ہمارے نزدیک اس دعویٰ کے متعلق ایک سوچنے والے آدمی کی تشفی کے لیے شروع کے دو بندون مین برکلے نے جو کچھ کہدیا ہر بس وہی بالکل کافی ہر۔ انسان جو کچھ جانتا ہر۔ اگر اُسکی تحلیل کیجاے تو اصولاً کل تین چیزین نکلین گی۔ (۱) وہ احساسات جنکا براہ راست آلاتِ حس سے علم ہوتا ہر (۲) لذت والم محبت ونفرت، غصّہ وخواہش وغیرہ کے جذبات اور ارادہ (۳) حافظہ اور تخیل کی مدد سے اِن دونون کا اعادۂ ذہنی۔ اُنکی باہمی ترکیب وتحلیل اور دوسرے تصرفات ذہنی جنکو فکر واستدلال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ موخر الذکر دونون اصناف کے تو ذہنی اور محض ذہنی ہونے مین کلام ہی نہین ہر شخص جانتا ہے کہ خارج از ذہن ان کا کوئی وجود نہین۔ گفتگو صرف اوّل الذکر مین ہے،

آلاتِ حس سے ہم کو، رنگ، امتداد، ذائقہ، آواز، بو، سردی، گرمی، سختی، نرمی وغیرہ کے مختلف اور اَن گنت احساسات حاصل ہوتے رہتے ہین۔ ان مین سے جب چند خاص خاص احساسات ہمیشہ ایک ساتھ محسوس ہوتے ہین تو ان کے لیے زبان مین کوئی ایک مستقل نام پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ایک خاص ذائقہ رنگ و بو اور شکل وصورت کا برابر یکجا اور ایک وقت ادراک ہوتا ہے تو اس کو ہم سیب کہتے ہین۔ عوام الناس اسی مجموعۂ احساسات کو موجود فی الخارج شے خیال کرتے ہین، لیکن فلاسفہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہین یہ تمام احساسات محض صفات واعراض ہین جنکی تہ مین ایک جوہر یا محل ہے جسکے ساتھ یہ قائم ہین۔ حقیقی اور مستقل بالذات وجود صرف اس محل کا ہے۔ یہ خود ناقابلِ حس وادراک ہے، اعراض کی وساطت

سے اُسکے وجود کا قیاسی علم حاصل ہوتا ہی بس یہی ایک لفظ مین مادہ ہی جسکا برکلے قطعاً منکر ہی۔
مادہ کی اِس تشریح بالا مین ایک سے زائد بحث طلب بیانات اور غیر ثابت دعاوی
شامل ہین۔ احساسات کو اعراض کہنے کے کیا معنی ہین؟ اعراض کے قیام کے لیے کسی
موجود فی الخارج جوہر جسمی کا وجود کیون ضروری ہی؟ خود ادراک کرنے والا نفس اُسکے
قیام کے لیے کیون نہین کافی ہی؟ یہ بیحس اور غیر محسوس جوہر ذی حس اذہان یا نفوس
مین کوئی تصور یا احساس کیونکر پیدا کرتا ہی؟ اور اُن پر کیونکر عمل کرتا ہے؟ ان مین سے
ہر چیز کا بارِ ثبوت مدعیانِ مادہ کی گردن پر ہے، اور کسی ایک سے بھی عہدہ برآ ہونا آسان
نہین۔ لہذا برکلے کے انکار کے لیے صرف اسی قدر کافی تھا، کہ ایک ایسی شے کا وجود
کیون قبول کیا جاے جبکا نہ تو براہِ راست خود حواس سے علم ہوتا ہے، نہ کسی قیاسی
حجت سے اسکی طرف ناگزیر احتیاج ثابت ہوتی ہی۔ لیکن اُس نے صرف اِس پر
قناعت نہین کی، بلکہ یہ دکھلایا کہ یہ دعوی اِستلزامِ تناقض ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے
کہ ہمارے محسوسات یا تصوراتِ حسیہ مثلاً شکل و امتداد و حرکت وغیرہ محض ذہنی
نہین ہین، بلکہ اس شکل، امتداد یا حرکت کے مماثل اور نمائندہ ہین جو ایک خارج
از ذہن جوہر جسمی مین موجود ہین۔ تو سوال یہ ہے کہ آیا خود وہ حرکت شکل یا امتداد
جو خارج مین جوہر جسمی کے ساتھ قائم ہے، محسوس ہے یا نہین۔ اگر ہے تو وہ بھی ہمارا
ایک ذہنی تصور ہے اور اگر نہین، یعنی یہ خارجی شکل و امتداد وغیرہ خود محسوس نہین
اور ہمارے احساسات و تصورات سے کلیتہً بیگانہ ہین تو پھر وہ کسی ایسے چیز کے مماثل
کیسے ہو سکتے ہین جو محسوس و متصور ہی، اس لیے کہ ایک دوسرے تصور کے علاوہ کسی
اور شے کے مانند نہین ہو سکتا۔" فرض کرو تمھارے پاؤن مین ایک کانٹا چبھ جاتا ہی جس سے

ایک قسم کا درد محسوس ہوتا ہے، اب درد کا یہ احساس یا تصور اگر مشابہ ہو سکتا تو کسی دوسرے تصور درد ہی کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایسے درد کے مانند ہو جسکا ہمکو احساس نہیں ہو سکتا۔ برکلے نے اسی استدلال پر بے انتہا زور دیا ہے اور سچ یہ ہے کہ جسقدر وجود مادہ کے اس عقدہ کو کھولنا چاہو، اُسی قدر یہ اور لاینحل ہو جاتا ہے۔

برخلاف اس کے، خود برکلے کا نظریہ اس طرح کے اشکالات سے بالکل پاک اور بدیہی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے تصورات حسیہ سے ماورا اور خارج کسی غیر محسوس شے کے وجود کا مُدعی ہی نہیں ہے، لہذا خود اپنے تصورات ذہنی کے وجود سے کون انکار کرسکتا ہے اور تصور وادراک کرنے والی ذات کے وجود سے زیادہ جس کو ہم انا، ایغو، نفس، ذہن، وغیرہ کہتے ہیں، اور کون سی چیز بدیہی یا قطعی ہو سکتی ہے۔ البتہ چونکہ ان تصورات حسی کا پیدا اور فنا ہونا انسانی ارادہ کے ماتحت نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً ہم آنکھ کھولیں۔ اور یہ چاہیں کہ کوئی چیز نہ دکھائی دے، یا فلان چیز پہلے اور فلان بعد کو نظر آوے تو یہ آدمی کے بس سے باہر ہے، اس لیے لامحالہ ایک ذی ارادہ اور فاعل نفس یا روح کا قائل ہونا پڑتا ہے، جو ان تصورات حسی کو انسان کے ذہن یا نفس پر مرتسم کرتا رہتا ہے، اسی کو برکلے روحِ برتر یا خدا کہتا ہے، اس مین شک نہین کہ ایک بے حس، بے ذہن، بے ارادہ، نامعلوم جوہر مادی کے قبول کرنے سے (جو فلاسفہ کے نزدیک ذہن مین تصورات حسی کو متہیج کرتا ہے) یہ زیادہ آسان ہے کہ ہم ایک اپنے ہی جیسے لیکن زیادہ وسیع القدرۃ زیادہ حکیم، غرض ہر حیثیت سے ایک کامل روح یا نفس کا وجود تسلیم کرلین جو انسانی اذہان پر متصرف ہے، اور اپنے ہی مقرر کردہ اصول کے ماتحت، جن کو حکمت کی زبان مین قوانین فطرت کہا جاتا ہے ان ذہنون مین تصورات خلق کرتا رہتا ہے، بس تو

کہنا چاہیے کہ برکلے کے نظام فلسفہ کے تین عناصر ترکیبی ہین ذہن انسانی خدا، اور وہ تصورات حسی، جنکو خدا انسان کے ذہن پر منقش کرتا رہتا ہے، جس سے باہر ان کا کوئی وجود نہین، یا ایک لفظ مین یون کہو کہ مادہ اور روح کی دوئی کو مٹا کر خالص فلسفہ روحی برکلے کا فلسفہ ہے۔

۲۔ دوسرے حصے مین (بند ۳۸ تا ۸۴) ان مختلف اعتراضات کا جواب ہے جو اس نظریہ پر کیے جا سکتے ہین، یون تو تعداد مین یہ ایک درجن سے زائد ہین لیکن ان مین سے بعض مکرر اور بعض بالکل سطحی ہین۔ اس لیے یہان صرف چار پانچ کا، جو نسبتاً اہم ہین مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی کو تمام چیزین اپنے سے الگ مختلف فاصلون پر آنکھ سے علانیہ نظر آتی ہین، تو پھر وہ اُن کو محض ذہنی کیسے قرار دے سکتا ہے؟ یہ اعتراض اس لحاظ سے بہت زیادہ اہم اور قابل اعتنا تھا کہ اشیا کے وجود خارجی کا ادعا سمجھنا چاہیے کہ سرتاپا اسی پر مبنی ہے، اس لیے سب سے اول برکلے نے جدید نظریہ رویت لکھ کر اس کا قلع قمع کیا اور موافق و مخالف سب سے منوا لیا کہ فاصلہ براہ راست مرئی نہین اور اسکو محسوس بالبصر سمجھنا ایک دھوکا ہے۔

(۲) اس اصول کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ تمام چیزین محض وہمی اور خیالی ہین یعنی حقیقی آگ جو جلاتی ہے اس مین اور اُس کے ذہنی تخیل مین کوئی فرق ہی نہین۔ جواب یہ ہے کہ نہین ان دونون مین وہی فرق ہے جو واقعی درد، اور اُس کے محض تخیل مین لیکن پھر بھی یہ کوئی نہین کہتا کہ واقعی درد، درد محسوس کرنے والے سے باہر موجود ہے یا نفس احساس کے علاوہ اس کا کوئی اور وجود ہے۔

(۳) ایک قباحت یہ پیدا ہوتی ہی کہ اگر تصورات حسی کی صرف اتنی ہی بساط ہی کہ جب تک ذہن ادراک کرتا ہی موجود ہین، ورنہ لاشے محض ہین۔ تو اسکے معنی یہ ہونگے تمام چیزین ہر وقت فنا، اور از سر نو پیدا ہوتی رہتی ہین۔ برکلے کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک ذہن سے کوئی چیز غائب یا فنا ہو جاتی، تو وہ اور ذہنون مین موجود رہتی ہے اور اگر تمام اذہان فنا ہو جائین تو بھی خدا یا روح برترین تو ہر آن ان کا وجود قائم ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تمام چیزین از سر نو پیدا اور فنا ہوتی رہتی ہین تو اس مین استحالہ یا اعتراض کی کیا بات ہے۔ بجز اسکے کہ ہمارے عامیانہ خیال و یقین کے خلاف ہے۔ تو ایسی سیکڑون خلافِ واقع باتین ہین جو نسلہا نسل سے دلون مین بیٹھ گئی ہین اور اُن کا نکلنا آسان نہین۔

(۴) فلسفۂ طبعی اور ریاضیات مین نیوٹن وغیرہ کے ایجاد کردہ سیکڑون ہزارون اکتشافات و مسائل ایسے ہین جنکی صحت سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا۔ اور ان سب کا تعلق بظاہر مادہ اور موجودات خارجی سے ہے۔ جواب صاف یہ ہے کہ اگر مادہ سے مراد وہ نامعلوم شے ہے جسکا ذہن کو مطلق شعور و ادراک نہین ہوتا، تو ظاہر ہے کہ ریاضی اور حکمت کے مباحث کو اس سے ذرہ بھر سروکار نہین۔ باقی اگر وہ محسوسات مراد ہین جن کا آلاتِ حس سے ذہن کو علم حاصل ہوتا ہی اور جو تمام تحقیقی حکمیات (سائنسز) کا موضوع ہین تو اُن کے حقیقی ہونے کے ہم عام فلاسفہ سے زیادہ معترف ہین کہ ہمارے اصول کی رو سے احساس ہی تو چیزون کی اصل حقیقت ہی۔

۳۔ اس آخری اور تیسرے حصہ مین انسانی نفس اور روح برتر (خدا) کی ماہیت اور افعال و خواص کے علاوہ ان متعدد مفید نتائج کیجانب توجہ دلائی گئی ہے، جو

جو اس اصول جدید کے ماننے سے حاصل ہوتے ہین، فلسفہ یا الٰہیات کی بہت سی گتھیان، جنکی پیچیدگی ہزارہا سال کی فکر و بحث کے بعد بھی اور بڑھتی جاتی ہے، از خود کھل جاتی ہین۔ مثلاً "آیا جوہر جسمی مین قوت فکر ہے یا نہین۔ مادہ لا الی نہایۃ منقسم ہے یا نہین" اور یہ مادہ نفس پر کیونکر عمل یا تصرف کرتا ہے" اس قسم کی تمام مشکلات جو ایک غیر ذہن اور غیر محسوس جوہر کے خارج از نفس ماننے سے پیدا ہوتی ہین، دفعتہً فلسفہ کے حدود سے شہر بدر ہو جاتی ہین۔ ارتیابیت کا جو مذہب کی سب سے خطرناک دشمن ہے، ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا دارومدار سر تا سر شہادت حواس کی تکذیب اور مادہ کے وجود خارجی پر ہے۔ بو، رنگ، شکل، حرکت، امتداد وغیرہ کی نسبت اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ وہ محض ذہن کے احساسات ہین تو وہ پوری طرح معلوم ہین، اور ان مین کوئی شے نہین رہ جاتی، جو نامحسوس ہو۔ لیکن اگر ان کو خارج از ذہن موجودات کا عکس یا مثنیٰ قرار دیا جائے تو قدرتاً ہم ارتیابیت مین پھنس جاتے ہین۔۔۔۔ "کیونکہ اس صورت مین، اشیاء خارجی تو علیٰ حالہ باقی رہتی ہین۔ لیکن ہمارے احساسات یا تصورات مین اختلاف پیدا ہوتا رہتا ہے، اب یہ فیصلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے کہ ان مختلف تصورات مین سے کون سا تصور، یا سرے سے کوئی بھی، اس حقیقی صفت کی نمایندگی کرتا ہے جو فی نفسہ خارج از ذہن شے مین موجود ہے، لہٰذا جو کچھ ہم دیکھتے سنتے اور محسوس کرتے ہین۔ ممکن ہے کہ محض وہم و تخیل ہو"[۱]

خود اصل کتاب یعنی مبادی مین متعدد نقائص تھے بعض مقامات ناصاف اور گنجلک تھے، ترتیب بھی ذرا ناقص ہے تکرار اور اعادہ بھی بہت ہے،

[۱] مبادی بند ۸۷۔

کہین کہین حد سے زیادہ اجمال ہوگیا ہی چنانچہ ان نقائص کا خود برکلے کو بھی
احساس ہوا، اور بیس سال بعد جزیرۂ رہوڈ سے سیموَل جانسن کے نام خط مین لکھا ہی کہ "جو کچھ
آپ نے دیکھا وہ اس وقت چھپا تھا جب مین بالکل نوعمر تھا اور بلاشبہ اس مین بہت
سے نقائص ہین کیونکہ اگرچہ خیالات اپنی جگہ پر صحیح ہون (جیساکہ مجھ کو یقین ہی) تاہم
چونکہ زبان عام استعمال اور مسلمات کے لیے ڈھل گئی ہے اسلیے ان کا وضاحت
کے ساتھ بیان کرنا نہایت مشکل ہے، لہٰذا مین ادّعا نہین کرتا کہ میری کتابین (نظریۂ رویت
بھی داخل ہی) کیونکہ اُسکے عسیر الفہم اور ژولیدہ ہونے کی لوگون کو مبادی سے زیادہ
شکایت تھی، صداقت کی معلم ہوسکتی ہین، مین جو کچھ اُمید رکھتا ہون وہ صرف یہ ہی کہ خود
اپنے ذہن و خیالات پر غور کرنے سے متجسس آدمیون کے لیے یہ کتابین صداقت
یابی کا آلہ بن سکتی ہین[1]" ان اسباب کیوجہ سے لازماً برکلے کے خیالات کی نسبت بہتون کو
غلط فہمیان ہوئین، مخالفین کے اکثر اعتراضات انہی غلط فہمیون پر مبنی ہین جن لوگون
کو فلسفہ سے زیادہ مذاق نہ تھا اُن کو اور بھی دقت پیش آئی، چنانچہ برکلے کا خود ایک دوست
جان پرسیول اُسکو لکھتا ہے "اگر مین اس کتاب کو پڑھون بھی، تو بھی پوری طرح سمجھ
نہ سکون گا، کیونکہ مین نے فلسفہ کا زیادہ مطالعہ نہین کیا ہے" لہٰذا ہمنے کتاب کے مہات
مباحث کو اختصار کے ساتھ ذرا صاف کرکے اوپر لکھدیا ہے۔ لیکن جو لوگ معقولات
سے ذرا گہرا مذاق رکھتے ہین، ان کو چاہیے کہ خود مبادی کو غور سے اور خالی الذہن
ہوکر، بلکہ ہوسکے تو ایک سے زائد بار پڑھین، کیونکہ بے اسکے نہ تو وہ کتاب کے عیب
وہنر سے واقف ہوسکتے ہین، نہ مسئلہ کے تمام پہلوون کا احاطہ کرسکتے ہین۔ نہ اس نظام

[1] لے بلیک ٹو والا سافیل کلیسکس "برکلے" صفحہ ۱۱۲

مستبعد نظریہ کے متعلق یقین و اذعان کی کیفیت ذہن مین پیدا ہو سکتی ہے بلکہ اس آخری مقصود کے لیے تو محض کتاب کا پڑھ جانا بھی کافی نہ ہوگا جب تک آدمی خود بے انتہا نہ سوچے۔ اسی لیے برکلے نے خود کئی جگہ استدعا کی ہے کہ میرے لفظون کو فقط اپنی فکر کا آلہ بناؤ اور پڑھتے وقت اپنے ذہن مین اُسی سلسلہ خیالات کو پیدا کرو جو مین لکھتے وقت رکھتا ہون۔

اولین اشاعت مین مبادی کے ساتھ نہایت بے اعتنائی اور تحقیر کا برتاؤ کیا گیا جسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ خود اصل کتاب لوگون نے تامل سے پڑھنے کی زحمت نہ گوارا کی، اور سنکر بھڑک گئے کہ برکلے تو اس موٹی سی بات کا منکر ہے کہ ذہن سے باہر کسی شے کا وجود نہین اس موقع پر جان ہر سیول کے اُس خط کا اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جو اُس نے مبادی کی پہلی اشاعت کے بعد برکلے کو لندن سے لکھا ہے مین نے اپنے بعض نہایت ہی لائق احباب کے سامنے تمھاری کتاب مبادی کے موضوع بحث کا نام ہی لیا تھا کہ اُنھون نے ہنسی اڑانی شروع کردی ساتھ ہی اسکے پڑھنے تک سے انکار کردیا جسکے لیے اب تک کسی کو بھی نہین آمادہ کر سکا ہون ...... ایک میرے شناسا طبیب نے البتہ تمھاری ذات خاص کی نسبت اظہار رائے کی زحمت گوارا کی، اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ برکلے قطعی پاگل ہے، اسکو اپنا علاج کرنا چاہیے۔ ایک بشپ نے اس بنا پر تاسف کیا کہ کسی نئی بات کے پیدا کرنے کی آرزو و نمائش نے تم کو ایسی حرکت پر آمادہ کیا۔ لیکن جب مین نے اِس الزام کے خلاف تمھارے کیرکٹر کی وکالت کی اور تمھارے دوسرے قابل ستایش اوصاف کا ذکر کیا، تو کہا، کہ پھر مین نہین سمجھ سکتا کہ کیا خیال ان کی نسبت قائم کرون۔ ایک اور شخص نے یہ کہا، کہ کوئی طباع آدمی

جب اپنی ذہانت کا استعمال کرے تو اس کی دلشکنی نہ کرنی چاہیے[1]۔ لیکن یہ باتین کچھ نئی اور چندان قابل تعجب نہین ہین، عقیدۂ عام کے خلاف جب کوئی عظیم تحقیق و انکشاف پیش کیا گیا ہی تو شروع شروع مین یہی سلوک ہوا ہی۔

مصنف کی زندگی مین مبادی دو بار چھپی جب پہلا اڈیشن نکلا، تو اسپر حصہ اول لکھا تھا، دوسرا حصہ لکھ لکھا کر اٹلی کے اثنائے سفر مین کہین ضائع ہو گیا[2]۔ لیکن اس حصہ دوم کے کیا مباحث تھے، اس کا کسی قدر اندازہ خود برکلے کے ایک خط سے ہو سکتا ہی جو اس نے حصۂ اول کی طبع کے وقت لکھا ہی "اس کتاب کا مقصد خدا کا وجود اور اسکے صفات کی توضیح و اثبات، روح کی ابدیت، خدا کے علم غیب اور انسان کے اختیار کا تحقق ہے۔ اور علمیات نظری کے متعدد حصون کی مہملیت اور کذب کی پردہ دری کر کے لوگون کو مذہب اور سودمند چیزون کے مطالعہ کی طرف مائل کرنا ہی[3]" ان مین سے بعض باتین تو حصۂ اول مین اشارتاً اور اجمالاً آگئی ہین۔ اور بعض بالکل نہین ہین، دوسرے حصہ مین غالباً انہی پر مفصلاً بحث ہوتی۔ اگر ہمارا قیاس صحیح ہی تو اس کارنامہ کے تلف ہو جانے کا فلسفہ سے زیادہ علم کلام کو احساس ہونا چاہیے

۳۔ مکالمات مابین ہائلس و فلونس

برکلے کو مادہ کے عدم وجود کا اتنا ہی اذعان تھا، جتنا دنیا کو اسکے وجود کا ہی۔ ساتھ ہی اس کو یہ بھی یقین تھا کہ اس کے خیالات کو توجہ سے سننے کے بعد قطعی بہت سے انصاف پسند آدمی ہم آہنگ ہو جائین گے، اس لیے نظریۂ جدید اور مبادی کے ساتھ

اردو کے برکلے (طبا) ٹروس فلاسافکل کلیکس، صفحہ ۷، ۱۲، و ۴۲ علی الترتیب

جو ناقدری اور بے التفاتی کا سلوک ہوا تھا، اس سے شکستہ خاطر ہوکر، وہ نچلا نہین بیٹھ سکتا تھا، ابکی اُسنے فلاسفہ کے محدود دائرہ سے نکلکر وسیع تر پبلک مین اپنی آواز کو سموع بنانے کی کوشش کی "مبادی" کا اسلوب علاوہ بعض جزئی نقائص کے خالص فلسفیانہ تھا، مکالمات اپنے موضوع اور مباحث کے لحاظ سے اگرچہ مبادی ہی کا نقش ثانی ہین لیکن تو بھی کے عیوب اس سے قدرتاً دور ہو چکے تھے، اسکے اسوا بالقصد مصنف نے اسکو بہت زیادہ سلیس اور عام فہم بنانے کی کوشش کی، زبان کا لطف بھی بڑھ گیا۔ کہین کہین انشاپردازی کا چٹخارہ ہی، اور ان سب باتون سے بڑھ کر یہ کہ مکالمہ کا اسلوب ہی قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہی کہ حریف کے اعتراضون کا جواب زیادہ خوبی سے دیا جاسکتا ہی مشکل سے مشکل مسئلہ باتون باتون مین ذہن نشین ہوجاتا ہی اور پڑھنے والے کو بوجھ نہین معلوم ہوتا۔

ان تمام چیزون کا ملکر یہ اثر ہوا کہ جو شخص (پرسیول) مبادی کو اپنی فہم سے بالاتر خیال کرکے پڑھنے کی ہمت نہین کرتا تھا، اُسنے لکھا کہ سچ یہ ہی کہ پہلے کی نسبت اب مین آپکا بہت زیادہ ہمخیال ہوگیا ہون، اقلاً اتنا تو کہہ ہی سکتا ہون کہ آپکا خیال بھی اسیقدر اغلب ہے جتنا وہ خیال جسکی آپ تردید کرتے ہین، اور کم از کم دونون برابر درجہ کی دشواریون سے دوچار ہین۔ "مکالمات" کے قبول عام کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ برکلے کی زندگی ہی مین اسکے تین اڈیشن نکلے فرانسیسی مین نہایت اہتمام سے ترجمہ ہوا اور اسکے انتقال کے تین ہی برس بعد جرمن مین ترجمہ ہوگیا۔

تعداد مین یہ مکالمات کل تین ہین۔ موضوع بحث کے اتحاد کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ترتیب و ضخامت بھی (۱۰۰ صفحہ) بالکل مبادی ہی کی ہے۔ البتہ مبادی پر جو بعض نئے اعتراض کیے گئے تھے ان کا جواب زیادہ تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے لیکن حقیقت

لہ بلیک ڈو برکلے صفحہ ۱۰۰۔

یہ ہے کہ دوسو سال کی مدت مین برکلے کے فلسفہ پر مخالفین اور ناقدین نے جو نقص یا اعتراضات پیش کیے ہین، وہ سب مع اپنے توڑ کے صراحتہً یا ضمناً خود مبادی ہی مین موجود ہین۔ ان مین سے جو زیادہ اہم تھے اُن کو ہم تلخیصاً مبادی کے اور مباحث کے ساتھ اوپر بیان کر چکے ہین، اسکے علاوہ ہمارے مشہور اور عزیز ترین دوست مسٹر عبد الماجد خود ان مکالمات کا ترجمہ کر رہے ہین، اور امید ہے کہ فلسفۂ برکلے سے کچھ ہی آگے پیچھے شائع ہو۔ ہم اپنے انسانی فطرت شناس دوست کے انتخاب کی اس حیثیت سے داد دیتے ہین کہ اُردو مین مبادی سے پہلے مکالمات کا شائع ہونا زیادہ موزون تھا، جو لوگ مبادی کے خالص فلسفیانہ، خشک و بدمزہ اسلوب تحریر کے پڑھنے کی تاب لا سکین ان سے ہماری التجا ہے، کہ برکلے سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لیے کم از کم ایک بار توجہ سے مکالمات کو تو شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت گوارا کرین لیکن یہ پیش نظر رہے کہ ناول یا ڈرامہ بھی نہین ہے۔ ہے فلسفہ ہی۔

۴۔ ڈی ماٹو

یہ علت و معلول کی بحث پر لاطینی زبان مین ۲۰، ۲۵ صفحہ کا رسالہ ہی۔ ہم لاطینی سے نابلدی کی وجہ سے اس کی نسبت کوئی رائے نہین قائم کر سکتے، لیکن یہ مسئلہ فلسفہ کے مہمات مباحث مین داخل ہی، اس لیے برکلے کے فلسفیانہ مصنفات کے ذیل مین اس کا کم از کم نام لے لینا ضرور تھا۔ فریزر نے فٹ نوٹ مین چند سطرین اسکے خلاصہ کے طور پر لکھدی ہین۔ ہم انہی کے بھروسہ پر چند لفظ عرض کرتے ہین۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام چیزون مین باہمی علت و معلول یا تاثیر و تاثر

کا ایک فطری علاقہ ہے مثلاً جب تم برف ہاتھ مین لیتے ہو تو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ برف کی ذات یا ماہیت ہی مین کوئی ایسی بات (قوت) ہے جو یہ اثر پیدا کرتی ہے، اور برف جب تک برف ہے اس سے یہ اثر منفک نہین ہو سکتا، لیکن برکلے کے نزدیک جس طرح یہ اثر یعنی ٹھنڈک صرف تمھارا ذہنی احساس ہے، اور اس لیے محض ایک انفعالی شے ہے، اسیطرح برف کا وہ ٹکڑا جسکو تم فاعل اور مؤثر جانتے ہو اُسکی حقیقت بھی تمھارے تصور ذہنی سے زیادہ نہین، (مبادی اور مکالمات ہائلس مین یہی ثابت کیا گیا ہے) اس لیے لازماً وہ بھی ایک منفعل چیز ہے اور علّت یا موثر جسکی حقیقت مین فاعل ہونا شامل ہے، نہین ہو سکتا۔ دوسرے لفظون مین یون کہا جا سکتا ہے کہ برف اور ٹھنڈک مین کوئی لزومی تعلق نہین، بلکہ تجربہ کی بنا پر ایک کا تصور دوسرے کا تصور پیدا ہونے کی نشانی بن گیا ہے۔ چنانچہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہوتا کہ برف سے گرمی کا احساس ہوتا ہے تو ہم اُسکو گرمی ہی کی علامت یا بہ اصطلاح عرف یہ کہو کہ علت سمجھنے لگتے۔ یہی وہ خیال ہے، جو ہیوم کے مشہور نظریہ تعلیل کا سنگ اساس ہے۔ برکلے اس مین مضایقہ نہین سمجھتا کہ زندگی کے کاروبار مین عملی سہولتون کے لیے ان علائم کو ظاہری یا میکانکی علل قرار دے لیا جاے۔ لیکن حقیقی او رفاعلی علت اُس کے نزدیک صرف ارادۂ روح ہے۔

ڈی ماڈ کا یہ نظریہ تعلیل، فلسفہ مبادی کی محض ایک تفریح (کاردلری) ہے، یہ رسالہ برکلے کی خالص فلسفیانہ تصنیفات کا آخری کارنامہ ہے۔ اس کے بعد جن دو کتابون کا ذکر آتا ہے، وہ اپنے موضوع کے لحاظ سے براہ راست فلسفہ سے متعلق نہین۔

۵۔ مکالمات السیفارن

یہ برکلے کی تصانیف میں سب سے ضخیم تر ہے (۳۲۰ صفحے) نظریہ رویت، مبادی اور مکالمات ہائلس تینوں مل کر بھی اسکے برابر نہیں ہوتیں۔ ادبی حیثیت سے برکلے کے مکالمات فلاطون اور سسرو[۱] کے مکالمات کے ہم پایہ گنے جاتے ہیں لیکن معنوی حیثیت سے مل اور اسٹیفن وغیرہ کے خیال میں السیفارن اگر اتنے بڑے شخص کی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو کسی خاص اعتنا کی مستحق نہ تھی۔ برکلے جیسے بلند رتبہ مصنف کا یہ سب سے کم قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ زیادہ تر معمولی اور پیش پا افتادہ باتوں پر مشتمل ہے[۲] ہمارے نزدیک یہ رائے کسی قدر مبالغہ آمیز ہے، البتہ اتنا سچ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی نظریۂ جدید اور مبادی کے مصنف کی شان سے پست تر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ السیفارن تمام تر کلامی مباحث کا مجموعہ ہے، اس لیے قدرتاً وہ ایک خالص فلسفیانہ نگاہ میں نہیں جچتی۔ اور اسلیے اس پر تفصیل سے بحث کرنا ہمارے موضوع کی وسعت سے بھی خارج ہے۔ اس کی کلامی نوعیتِ بحث کی جانب ذرا سا اجمالی اشارہ کر کے ہم علم الاخلاق کے اس نظریہ پر البتہ توجہ دلانا چاہتے ہیں جو اس میں اگرچہ ضمناً آگیا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ اس فلسفۂ اخلاق کا اساس ہے جس کا امام اعظم خود مل خیال کیا جاتا ہے۔

اس مجموعہ میں سات مکالمے ہیں السیفارن، جو ان ساتوں کا مشترک کیرکٹر

---

[۱] روما کا مشہور سیاسی اور خطیب و مقرر ۴۳ سنہ ق۔م میں مرا۔ فلاطون کی طرح اُسنے بھی اپنے اکثر فلسفیانہ اور سیاسی خیالات مکالمات کے پیرایہ میں لکھے ہیں۔ فلاطون سے استفادہ کا معترف ہے۔

[۲] دیکھو ڈسر سٹیفنس صفحہ ۱۷۹، اور English Thought in 18th Century جزو (۲) صفحہ ۴۳

ہے، اسی آزاد خیال گروہ کا نمایندہ اور وکیل ہے جسکے مقابلہ مین گارجین کے مضامین لکھے گئے تھے، اور جو اطاعت غیر مقاومانہ، اتالسٹ، مقالہ بنام حکام وغیرہ کی تحریر کا محرک تھا، برکلے کے کلامی اور اخلاقی نظریات کے لیے مکالمات السیفارن کے ساتھ ان رسائل کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے،

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ انسان کے افعال و اعمال پر اُسکے خیالات اور عقائد کا بیحد اثر پڑتا ہے، اس لیے ایسے عقائد جو نیکوکاری کی جانب مائل کرنے اور بدکاری سے بچانے مین معین ہون، ان کو قائم رکھنا چاہیے۔ مذہب کی تعلیمات یعنی وجود خدا، معاد جزا و سزا وغیرہ کا اذعان اور فرائض اخلاقی کا احساس اسی قسم کے عقائد مین شامل ہین۔ یہ مذہبی اور اخلاقی خیالات اگرچہ مختلف اقوام و ممالک مین بے انتہا متفاوت نظر آتے ہین۔ لیکن پھر بھی یہ اسی طرح فطری ہین جس طرح ایک ہی بیج، زمین، آب و ہوا، اور طریق پرورش کے اختلاف سے، مختلف رنگ، ذائقہ، اور بو باس کے پھل پھول پیدا کرتا ہے۔ شروع کے تین مکالمات مین انھی چیزون پر تفصیلاً گفتگو ہے، مگر ان تمام باتون کو قبول کرنے پر بھی اس شخص کی تسلی نہین ہوسکتی، جو سچائی کا متلاشی ہے۔ کسی اعتقاد کا مفید ہونا اور بات ہے اور اس کا واقعی وجود اور چیز ہے۔ یہ مان لیا کہ وجود خدا کے عقیدہ کو دلون مین باقی رکھنا سودمند ہے، لیکن اس سے یہ کیسے نکلا کہ خدا واقعاً بھی موجود ہے، اس لیے چوتھے مکالمہ مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خدا کی موجودیت کا اسی دلیل سے علم حاصل ہے۔ جس سے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ ہر آدمی کو براہ راست صرف اپنے افعال نفس کا علم ہوتا ہے، وہ اپنے ارادہ سے اپنے جسم مین مختلف حرکات پیدا کرتا ہے، بولتا ہے،

چلتا ہے، اُٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اِس لیے جب وہ کسی دوسرے جسم مین اسی قسم کی حرکات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُس کا ذہن اپنے ہی جیسی ایک دوسری ذی ارادہ ذات کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسی کے ایسے اور اذہان و نفوس بھی موجود ہین جن کو وہ بالذات محسوس نہین کرتا بلکہ گفتگو یا حرکات جسم کے علائم سے اُن کے وجود پر استدلال کرتا ہے۔ اسی طرح اگر حوادث کائنات کی تحلیل کی جائے، تو وہ بھی مختلف طرح کے حرکات نکلین گے، جنمین اسی درجہ کا بلکہ اس سے بڑھکر نظم و نسق ہے جتنا انسان کے حرکات ارادی مین ہوتا ہے، لہذا اس عالم کے مشین کے لیے ایک محرک ارادی کا وجود قطعی ہے، اسکے علاوہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے[1] کہ ہمارے محسوسات مین باہم علت و معلول کا کوئی لزومی علاقہ نہین، بلکہ ایک احساس سے دوسرے کی جانب اس طرح ذہن کا انتقال ہوتا ہے جس طرح کسی لفظ سے اُس کے معنی کی طرف۔ لہذا جس شے کو حکما قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین، وہ دراصل لسان الٰہی ہے جو ہم سے ہر آن اسی طرح ہمکلام ہے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے[2] باقی اخیر کے تین مکالمون مین عیسائیت کے مخصوص عقائد و تعلیمات کی حمایت کی ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہونے کے علاوہ اُردو پبلک کے لیے نہایت غیر دلچسپ حصہ ہے۔ لہذا اُس کو چھوڑ کر کسی قدر بسط کے ساتھ ہم اس نظریۂ اخلاق کو ذیل مین درج کرتے ہین جو ابتدائی تین مکالمون مین اگرچہ مذہبی مباحث کے ضمن مین مذکور ہے۔ لیکن بجائے خود فلسفہ کے مہمات ابواب مین داخل ہے، اور اس لیے ہمارے دائرۂ بحث کے اندر ہے۔

---

[1] دیکھو ذکر ڈماڑ صفحہ ۲۵ [2] ہمنے بے حد اجمال سے کام لیا ہے۔ انگریزی دانون کو چاہیے کہ چوتھے مکالمہ کو خود پڑھین کہ خدا کیونکر انسان سے باتین کرتا ہے نہایت دلچسپ ہے۔

اخلاقیات کے بیسیون مذاہب مین جو مذہب سب سے زیادہ محقق اور یورپ خصوصاً انگلستان مین مقبول ہے، وہ **افادیت** ہے، جسکے ائمہ بنتھم، مل اسپنسر وغیرہ ہین۔ **افادی** فلسفہ اخلاق کی بنیاد دو اصولون پر ہے (۱) انسان کی خواہشات اور اسکے افعال کے محرکات کو اگر تحلیل کر کے دیکھا جائے تو وہ سب بلا استثنا، کسی نہ کسی طرح کے لطف ولذت کی طلب اور رنج والم سے اجتناب پر منتہی ہوتے ہین، ساہی ایک بڑی مسرت یا لذت کے حصول کی خاطر آدمی چھوٹی چھوٹی تکلیفون کو خوشی سے انگیز کرتا ہے، اور معمولی یا ادنیٰ درجہ کی مسرتون کو اس پر قربان کرتا رہتا ہے (۲) لیکن چونکہ ہر فرد انسان کی لذت وراحت دوسرے افراد یا جماعت کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہے جسطرح کسی جسم کے مختلف اعضا کی اپنے کل کے ساتھ، اسلیے لازماً ہر آدمی کو اپنے انفرادی افعال مین اجتماع کا ماتحت رہنا پڑتا ہے، اور جماعت کی فلاح وبہبود بالواسطہ افراد کی فلاح وبہبود ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ افعال جو انسانون کی بڑی سے بڑی تعداد کے لیے بڑی سے بڑی مسرت کا موجب ہون۔ نظریۂ **افادیت** کی رو سے مستحسن ہین۔ اور اسکے خلاف قبیح یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ یہی اصول خیر وشر کے امتیاز کا معیار ہے۔ اسی معیار کا پتہ لگانا فلسفۂ اخلاق کا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ برکلے نے ان دونون اصولون کو جس خوبی اور وضاحت سے بیان کیا ہے، بعینہ اس کو درج کرتے ہین۔

"جو اصول سب سے زیادہ عالمگیر اور انتہائی گہرائی کے ساتھ ہمارے دلون پر نقش ہے وہ اپنی **ذات کی محبت** کا اصول ہے (۱)" اسلیے قدرتی طور پر ہم تمام چیزونکو اس نظر سے دیکھتے ہین کہ وہ ہماری ذاتی مسرتون کی افزایش کے لیے موزون ہین یا نہین

(۱) دیکھو اطاعت غیر متقادمانہ بندہ۔

وراسی نقطۂ نظر سے ہم اُن کو خیر یا شر کا لقب دیتے ہین۔۔۔۔ ہماری زندگی کی تمام تر مشغولیت اول الذکر کے حصول اور ثانی الذکر سے اجتناب پر مبنی ہے۔ پہلے پہل جب ہم دنیا مین داخل ہوتے ہین تو ہماری رہنمائی کلیتہً حواس کے ہاتھ مین ہوتی ہے کیونکہ اس وقت فوری حسی لذت والم ہی بُرے بھلے کا معیار ہوتا ہے، لیکن جیسے جیسے چیزون کی ماہیت کے متعلق ہماری واقفیت بڑھتی جاتی ہے، ویسے ویسے ہم کو تجربہ سکھلاتا جاتا ہے کہ اکثر فوری لذت آگے چل کر ایک بڑے الم کا باعث ہوتی ہے۔ ساتھ ہی فوری تکلیف بارہا آیندہ مسرت کا موجب ہوتی ہے۔۔۔۔ لہٰذا ہمارے فیصلون مین ایک تغیر واقع ہوتا ہے اب ہم آلات حس کی اولین طلب پر اطاعت کے لیے نہین مستعد ہوجاتے، بلکہ اس پر غور کرتے ہین کہ حسب معمول اس عمل سے آیندہ کس لذت کی توقع یا کس الم کا خوف ہوسکتا ہے۔ یہ خیال بارہا ہم کو ان فوری لطف اندوزیون سے دست بردار ہونے پر مجبور کردیتا ہی جن کے مقابلہ مین آیندہ زیادہ بڑی اور پائدار مسرتون کی امید بندھ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔"

(۲) "کسی آدمی کو یہ نہ چاہیے کہ وہ اپنے کو ایک ایسا مستقل فرد سمجھ بیٹھے جسکی مسرت دوسرون کے ساتھ وابستہ نہین ہے۔ بلکہ اس کو چاہیے کہ اپنے کو ایک کل کا جز جانے اور اس کل کی مشترک فلاح کا ماتحت ومتبع رہے، اور اپنے عادات وافعال مین ایک موزون ترتیب قائم رکھے۔ بہ شرطیکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے[1]"

جس صراحت کے ساتھ برکلے نے افادیت کے مہمات مبادی کو پیش کیا ہے اُس کے بعد یہ نہایت ناانصافی ہوگی اگر اس کو بنتھم اور مل کا پیشرو نہ قرار دیا جائے البتہ اس نے اپنی افادیت کو مذہبی رنگ مین رنگ دیا ہے۔ اس کے نزدیک چونکہ انسان کی سب سے

[1] السیفارن۔ مکالمہ اول کا آخری صفحہ

بڑی مسرت اور ابدی سعادت و بدبختی ایک برتر ہستی (خدا) کے ہاتھ مین ہے۔ اِس لیے تمام انسانی افعال اسی کی مشیّت واحکام (مذہب) کے ماتحت رہنے چاہئین۔ اور اس کی وعدہ کی ہوئی لازوال مسرتون کے مقابل مین دنیا کی عارضی اور فانی لذتون کو ہیچ سمجھ کر ان پر نظر نہ ڈالنا چاہیے۔ اسی بنا پر برکلے کے فلسفۂ اخلاق کو **مذہبی افادیت** کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے اس کی پیش روی کی عظمت مین فرق نہین آتا۔ اور ہمارے نزدیک سٹڈکوک اور اسٹفن وغیرہ نے اس حیثیت سے اُس کی جانب سے بے اعتنائی کرنے مین انصاف کا خون کیا ہے۔

۶- سِرِس

یہ کتاب برکلے کی علمی زندگی کی کہنا چاہیے کہ سب سے آخری یادگار اور اس کے معلومات کی **انسائیکلوپیڈیا** ہے۔ الف لیلہ کی طرح بات سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ اصل مین توما رالقیر کے طبی فوائد کی بحث شروع ہوتی ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام امراض کے لیے اکسیر ہے، **قیر** چونکہ بعض پودون سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے نباتی زندگی کی بحث چھڑ جاتی ہے پھر نباتی ایسڈ جوہر حیات قرار پا کر علم کیمیا کے مسائل کا ذکر نکلتا ہے۔ غرض اس تسلسل کی گرفت سے **تشریح، عضویات، علم المرایا**، میکانک وغیرہ علوم طبیعہ کی کوئی شاخ نہین بچ سکی۔ یہانتک کہ بالآخر **مابعد الطبیعات** کے مباحث پیدا ہوتے ہین، جن کی لپیٹ مین تمام قدیم فلاسفہ کے مذاہب ایک ایک کرکے آجاتے ہین۔ اِس ساری داستان کی تان آخر مین چل کر اُسی **فلسفۂ مبادی** پر ٹوٹتی ہے، کہ تمام کائنات طبیعہ کا مبدء محض ایک **فعال روح** ہے، سارا عالم اسی کا پرتو ہے، اور حقیقی وجود صرف اسی کا ہے۔

سلے اطاعت غیر مقادانہ بند؟۔

آخر کے حصہ مین نہایت شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام متقدمین فلاسفہ، فیثاغورس، پرمانیدس، فلاطون۔ فلاطین۔ وغیرہ اسی ایک مبدٔ روحی کے حقیقی وجود کے قائل ہین۔ ارسطو تک کے نزدیک مادہ سے مراد کوئی جوہر جسمی نہین ہے، نہ وہ دیمقراطیس یا زمانہ حال کے مادیین کی طرح جواہر مادی کو ساری کائنات کی اصل قرار دیتا ہے، لہذا برکلے کے نزدیک ان لوگون کی نظریات بہ نسبت ڈیکارٹ و نیوٹن وغیرہ فلاسفہ حال کے خود اُس کے نظریہ سے قریب تر اور اسی لیے صحیح تر ہین۔ فلاسفۂ یونان مین وہ سب سے زیادہ جس شخص کی عظمت کا معترف ہے، وہ فلاطون ہے، لکھا ہے کہ آج بھی دنیا کو فلاطون کی احتیاج ہے۔ اور اس کی تصانیف کا مطالعہ ازبس ضروری ہے

سرس برکلے کے تمام نوشتجات مین، ہمہ گیر واقفیت اور وسعتِ نظر کے لحاظ سے بے حد حیرت انگیز ہے۔ قدیم و جدید مشرق (مصر) و مغرب کے حکما (سائنٹسٹ) و فلاسفہ مین شاید ہی کوئی قابل ذکر نام ایسا نکلے، جو اس مین نہ آیا ہو۔ محض نام نہین گنائے گئے ہین، بلکہ ہر شخص کے مسائل و نظریات پر عبورانہ بحث ہے۔ قبول بھی سرس سے زیادہ کسی اور کتاب کو نہین میسر ہوا۔ ۱۷۴۴ء مین اس کا پہلا اڈیشن نکلا۔ چند ہفتے بعد دوسرا اور پھر مئی ۱۷۴۴ء مین تیسرا اڈیشن نکلا، اس کے بعد مصنف کی زندگی ہی مین ۱۷۴۶ء و ۱۷۴۸ء مین اور دو بار شائع ہوئی، فرانسیسی، جرمن، ڈچ، اور پرتگالی زبانون مین اسکے ترجمے ہوے لیکن اسکی مقبولیت کا سبب الٰہیاتی مباحث سے بہت زیادہ ماء القیر کی طبی تحقیقات تھی جس نے پیشہ وراطبا کے حلقہ مین رقابت اور مخالفت کا جوش پھیلا دیا تھا۔ یہی جوشِ رقابت سرس کی شہرت و اشاعتِ عام کا ذریعہ بن گیا۔

برکلے کا فلسفۂ تصوریت

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

فلسفہ نام ہے تلاشِ حقیقت کا۔ حقیقت سے کیا مراد ہے؟ اور وہ کہاں ہے؟ عام آدمیوں کو عالم سرتاسر تغیر و تجدد، تمام تر کثرت و تعدد، اور یکسر اختلاف و تنوع نظر آتا ہے۔ لیکن ایک متجسس ذہن کو فوراً یہ کھٹکتا ہے کہ اس تغیر و تجدد کے اندر کوئی نہ کوئی ثبات و قیام، کثرت و تعدد کے پردہ میں کوئی نہ کوئی وحدت اور اختلاف و تنوع کی تہ میں کوئی نہ کوئی اشتراک و یگانگی پنہاں ہے جو ان تمام نیرنگیوں کا مبدء ہے۔ بس یہی مبدء وہ حقیقت ہے جسکی جستجو کے پیچھے فلاسفہ سرگرداں ہیں۔ اب اصل سوال یہ ہے کہ یہ حقیقت کہاں ہے؟ اور اس مبدء کائنات کی کیا ماہیت ہے؟ اسی سوال کے مختلف جوابات نے فلسفہ کے سیکڑوں فرقے پیدا کردیے۔

عالم کے بے شمار موجودات میں دو چیزیں ایسی ملتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل متخالف بلکہ متباین معلوم ہوتی ہیں۔ ایک کے مختصات میں شعور ادراک، ارادہ اور فکر وغیرہ داخل ہے، جس کو ذہن، نفس، روح، انا، اور ایغو کے متعدد ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے کے خصائص امتداد (طول عرض وعمق) شکل (مربع، مثلث مدور و مستطیل وغیرہ ہونا) حرکت وغیرہ ہیں۔ اس کو جسم یا مادہ

کہا جاتا ہے۔ جو فکر و ادراک سے اسی طرح عاری ہو جس طرح اول الذکر شکل و امتداد سے مبرّا ہے۔

مادہ مین شعور و ادراک کا فرض کرنا اتنا ہی ناقابل تصور نظر آتا ہے، جتنا نفس کی ماہیت سے اُس کو جُدا کرنا، علیٰ ہذا نفس کو ممتد و متشکل ماننا اسی قدر ناممکن التخیل معلوم ہوتا ہے جسقدر مادہ کو شکل و امتداد سے منفصل کرنا۔ اسی لیے ایک جماعت کثیر یہ قبول کرنے پر مجبور ہو گئی کہ عالم کا خمیر روح اور مادہ دو مختلف الماہیتہ عناصر سے تیار ہوا ہے اسی دوئی کے قائل فرقہ کا اصطلاحی نام ثنویہ ہے جس کے علمبردار ارسطو، اور ڈیکارٹ وغیرہ ہین۔ لیکن انسان کی فکر مضطرب اس دوئی پر بھی نہین قرار پکڑ سکتی تھی۔ لہذا ایک طرف تو نہایت بلند آہنگی سے ایک گروہ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ سارا عالم صرف ذرّات مادی کا جلوہ گاہ ہے۔ مادہ کے ماورا کسی اور شے کا مطلق وجود نہین، ادراک و ارادہ وغیرہ کے افعال جنکو تم ایک غیر مادی ہستی (روح) کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ ذرّات مادی ہی کی ایک خاص ترکیب اور باہمی تاثیر و تاثر کا ایک کرشمہ ہین۔ یہی فرقہ مادیین کے نام سے پکارا جاتا ہے، جس کے وکیل دمیقراطیس بخنر[1] وغیرہ ہین دوسرے سرے پر اس کے بالکل خلاف روحیین اسکے مدعی ہین کہ حقیقی وجود فقط نفس یا روح کا ہے۔ باقی جس شے کو مادہ اور جسم کہا جاتا ہے وہ محض روح کا ایک فعل یا ظل اور پرتو ہے، روحیین اور مادیین کا مشترک لقب وحدیہ ہے ہمارے برکلے کا اسی آخر الذکر مذہب یعنی روحیت کے اکابر ائمہ مین شمار ہے۔ اس مذہب کا وسیع ترین نام انگریزی مین ائیڈیلزم ہے۔ جس کی تحت مین روحیت کے تمام باہم

---

[1] انیسوین صدی کا مشہور مادی۔ جو کچھ ہے بس سب مادہ ہی کا کرشمہ ہے خدا اور روح وغیرہ سب خرافات ہین۔

مختلف و متباعد نظریات داخل ہین جنہین بالعموم نہایت خلط مبحث کردیا جاتا ہے۔ ہم برکلے کے نظریات اور اس کے مرتبہ کو اچھی طرح اجاگر اور نمایان کرنے کے لیے اُیڈیلزم کو دو اصولی اسکولون مین تقسیم کرتے ہین۔

(۱) اگرچہ کائنات کے گونان گون تغیرات و حوادث کا حقیقی سرچشمہ صرف ایک غیر مادی ہستی یا روح ہے۔ لیکن یہ حوادث و تغیرات ادراک کرنے والے نفس یا ذہن سے باہر مستقلاً موجود ہین۔ ان کا وجود نفوس مدرکہ کے ساتھ اس طرح نہین وابستہ ہے جس طرح درد کا وجود درد کے احساس کرنے والے ذہن کے ساتھ ہوتا ہے۔ فلاطون اسپنوزا، لبنز وغیرہ کی ائیڈیلزم کا یہی منشا ہے۔ فلاطون کے نزدیک ہمارے محسوسات کی حقیقت اگرچہ اس سے زیادہ نہین کہ وہ غیر مادی اور غیر محسوس روحی مُثُل کے محض اشباح و اظلال ہین۔ لیکن ان اشباح کا وجود و عدم احساس ذہنی پر مبنی نہین۔ اسپنوزا بھی گو اس بات کا قائل ہے کہ جسم و روح دو مختلف و مستقل جوہر نہین ہین۔ بلکہ دونون ایک تیسری روحانی ہستی (خدا) کے دو صفات یا مظاہر ہین جنہین سے ایک کا مابہ الامتیاز امتداد ہے اور دوسرے کا فکر۔ جس کا یہ مطلب نہین کہ امتداد کا وجود فکر کے ماتحت ہے۔ اسی طرح لبنز نے دیمقراطیس کے ذرات مادی کے بجاے اجسام کو غیر ممتد، بسیط، ناقابل انقسام، لیکن ذی ادراک موناڈس (وحدات روحی) مین تحلیل کرنے کی کوشش کی، مگر یہ نہین دعوی کیا کہ اجسام کا وجود احساس سے زیادہ نہین یا کسی جسم کا احساس ہی اس کا وجود ہے۔

(۲) انسان کو کسی صاحبِ ادراک ذی ارادہ اور غیر ممتد و غیر متشکل ذات (روح) کے وجود کا خیال پیدا کیونکر ہوا؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے، یعنی خود اپنے

ذہن یا نفس کے افعال و خواص کا مطالعہ کرنے سے۔ اس لیے ایک دوسری صورت روحیت یا آئیڈیلزم کی یہ تھی کہ تمام محسوسات (بہ الفاظ دیگر موجودات مادی) کو محض اپنے ہی نفس کے مختلف تکیفات و حوادث قرار دیا جاے۔ اور چونکہ انسان کو بالذات و براہ راست صرف اپنے ہی تصورات یا حوادث ذہنی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لہذا یہ نظریۂ روحیت زیادہ قریب الفہم اور زیادہ قابل قبول تھا۔ اور برکلے کے نزدیک تو یہ اُن حقائق مین داخل ہے "جو ذہن سے اس قدر قریب اور اس قدر بدیہی ہین کہ ان کے دیکھنے کے لیے آدمی کو صرف اپنی آنکھین کھولنے کی ضرورت ہے" لیکن پھر بھی خود برکلے سے پہلے کسی شخص کو اس نے نقاب حقیقت کے مشاہدہ کے لیے چشم کشائی کی توفیق نہ میسر ہوسکی۔ ہم آئڈیلزم کی سابق الذکر صورتون سے ممتاز کرنے کے لیے برکلے کے نظریہ کا نام تصوریت یا تصوری آئڈیلزم رکھتے ہین۔

اگرچہ فلسفہ کی اس حقیقت عظیم کے انکشاف اور اسکی تکمیل دونون کا فخر تنہا برکلے کو حاصل ہے۔ لیکن اس منزل تک پہونچنے کے لیے، جس نے سب سے اول راہ کھولی، وہ سوفسطائیہ کا مقدمۃ الجیش پروٹاگورس ہے ڈیکارٹ گو کہ صرف پہلا قدم بڑھا کر بے راہ ہوگیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخ تصوریت کا یہی سب سے اہم قدم تھا، جسکے بعد لاک نے آدھا راستہ طے کرلیا۔ لیکن اصل نکتہ تک پہونچنے مین صدیون کے تعصبات کی آہنی دیوار حائل ہوگئی۔ اس کے توڑنے کے لیے فقط ایک مجتہد دماغ اور جری قلب کی حاجت تھی جو برکلے قدرت سے لیکر آیا تھا۔ اور جس کے آثار بچپن ہی سے نمایان تھے۔ لہذا برکلے کے تاریخی مرتبہ اور اُس کے مجتہدانہ اکتشاف سے پوری طرح واقف ہونے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ پہلے اجمالاً پروٹاگورس، ڈیکارٹ، اور لاک کے نظریات سے مطلع ہوجانا چاہیے۔

ساے مبادی بند ۶

پروٹاگورس (۴۴۰ ق-م) سے پہلے فلاسفہ ذہنی شعور کو موجودات خارجی کا ماتحت قرار دیتے تھے، اس نے اس اصول کو بالکل الٹ دیا-ایک ہی چیز کی نسبت مختلف لوگون کے مختلف احساسات ہوتے ہین، بلکہ ایک ہی شخص مختلف اوقات وحالات مین مختلف ومتبائن کیفیات محسوس کرتا ہے، لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذہن سے باہر محسوسات کا کوئی مستقل وجود نہین، بلکہ ہر چیز ادراک ذہنی پر منحصر ہے-انسان اپنے ادراکات کے ماورا کچھ نہین جانتا-جو چیزین ہمارے احساس کے دسترس مین نہین ہین وہ ہمارے لیے موجود ہی نہین-جزئیات محسوسہ کے علاوہ کسی شے کا اثبات ناممکن ہے، جس چیز کا کوئی آدمی نہین ادراک کرتا اس کا کوئی وجود نہین-خلاصہ یہ کہ "تمام چیزون کا معیار انسان (ذہن انسان) ہے" یہ خط زدہ اصول موضوعہ اور اوپر کے منتشر فقرے نہ صرف برکلے کی تصوریت کی بنیاد ہین، بلکہ ہیوم کی ارتیابیت اور کینٹ کی انتقادیت بھی انہی کی تہ مین نہان[1] ہے-

ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء فرانس) نے اسی بنیاد کو زیادہ منظم اور حکیمانہ بنا دیا اُس نے کہا کہ تمام ان چیزون کو جن کا ہم کامل وضاحت اور صفائی کے ساتھ تصور نہین کرسکتے-عدم یقین اور شک کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے-صرف اُن چیزون کو قبول کرنا چاہیے جن کا وجود ہمارے لیے بالکل نمایان اور بدیہی ہے اِس معیار پر صرف اپنا یعنی ایک سوچنے اور خیال کرنے والی ذات کا وجود قطعی اور یقینی رہ جاتا ہے-کیونکہ ہم اجسام کے تمام خواص وصفات یعنی امتداد وتشکل وغیرہ کے وجود خارجی پر شک کرسکتے ہین-لیکن خود اپنے اندر کے خیال یا فکر کا اِنکار کسی طرح نہین کرسکتے-کہ انکار یا شک بھی تو خیال کرنا ہی ہے-لہذا تمام ماورائے

[1] [illegible]

فکر اشیا سے انکار کر دینے پر بھی نفس فکر کا وجود بدیہی اور ناقابلِ انکار ہے بس کم از کم اتنا قطعی ہے کہ میں "سوچتا ہوں لہذا میں ہوں" یعنی میری ہستی سوچنے والی اور خیال کرنے والی ذات سے عبارت ہے۔ اور اسی کا نام ذہن نفس عقل و روح وغیرہ ہے جسکا خود بالذات اور براہ راست واضح ترین علم حاصل ہے، لیکن آگے چل کر ایک دقیق منطقی مغالطہ سے دھوکا کھا کر ڈیکارٹ خود اپنے ہی اصول سے بھٹک گیا جسطرح ہمارے لیے فکر و خیال کا تصور نہایت واضح اور صاف ہے، اُسی طرح امتداد و شکل کا تصور بھی بین طور پر موجود ہے۔ اور جسطرح فکر و خیال، کسی فکر و خیال کرنے والی ذات کو مستلزم ہے۔ اسی طرح شکل و امتداد کسی متشکل و ممتد چیز کو متضمن ہے، وہی مادہ ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ روح کی طرح مادہ کا وجود بھی یقینی اور واضح ہے روح کا بے فکر کے اور مادہ کا بے امتداد کے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا فکر و امتداد علی الترتیب روح اور مادہ کے **صفات ذاتی** ہیں؛ جو باہم بالکل متغائر ہیں اور ایک دوسرے سے الگ مستقل بالذات موجود ہیں۔ اس سے بھی عجیب تر دوسرا نتیجہ ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے ذہن میں کمالیت اور نامحدودیت کے تصورات بین طور پر پائے جاتے ہیں جن کو خود ہمارا ذہن نہیں خلق کر سکتا۔ کیونکہ وہ ناقص و محدود ہے۔ لہذا لازماً وہ کسی **کامل اور نامحدود** ذات کے آفریدہ ہیں اور وہی خدا ہے۔

لاک (۱۶۳۲ء تا ۱۷۰۴ء انگلینڈ)، نے **تصوریت** کے دو اہم اور بنیادی اُصول نہایت صراحت کے ساتھ قبول کر لیے (۱) ذہن کے پاس فکر و استدلال کے لیے بجز خود اسکے ذاتی تصورات کے اور کوئی شئی نہیں ہے۔ لہذا ہمارا علم تمامتر انہی تصورات ذہنی تک محدود ہے۔ یعنی ذہن کو خود اشیاے خارجی کا براہ راست علم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جو کچھ

جانتا ہے محض اپنے تصورات کی وساطت سے۔ (۲) "کسی جوہر جسمی یا مادہ کا تصور ہمارے لیے اُسی قدر بعید الفہم ہے جیسا کہ کسی جوہر روحی یا روح کا۔"[1] بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امتداد تشکل صلابت وغیرہ جن کا انسان کو حواس سے ادراک ہوتا ہے، یہ محض اعراض یا صفات ہین، جو ایک غیر محسوس محل یا جوہر جسمی کے ساتھ قائم ہین۔ یہی محل اعراض یا جوہر جسمی مادہ ہے۔ لاک کے نزدیک اس قسم کے مادہ کا وجود قطعاً ناقابل فہم ہے اور موجودات خارجی محض اعراض یا صفات محسوسہ کا مجموعہ ہین۔

ان صفات محسوسہ کی دو قسمین ہین اولی اور ثانوی جنکو ہم علی الترتیب حقیقی اور غیر حقیقی کہین گے۔ حقیقی سے مراد وہ صفات ہین جو خارج مین ذہن سے باہر موجود ہین۔ اور حواس پر ان کا اسی طرح انعکاس ہوتا ہے، جس طرح کسی شے کا آئینہ پر امتداد، تشکل، حرکت وسکون اور عدد اسی قسم کی تحت مین داخل ہین۔ باقی رنگ، روشنی، ذائقہ، آواز، بو، حرارت وبرودت غیر حقیقی صفات ہین یعنی اُن کا وجود ان کے احساس کرنے والے ذہن سے باہر نہین ہے، چنانچہ اگر کوئی چکھنے، سونگھنے اور سننے والی ذات نہ موجود ہو تو ذائقہ اور آواز کا بھی سرے سے کوئی وجود نہ ہوگا بالکل اُسی طرح جیسے درد بغیر درد محسوس کرنے والے کے نہین پایا جاسکتا۔ ان تصورات کی بنا پر جو آگ کا ایک انگارا، برف کا ٹکڑا اور من ہمارے اندر پیدا کرتے ہین۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انگارا گرم وروشن، برف سفید اور سرد اور من سفید وشیرین ہے۔ ان صفات کی نسبت عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اجسام بعینہ اسی طرح موجود ہین، جس طرح ہمارے ذہن مین، اور ایک دوسرے کا ویسا ہی مکمل مثنےٰ ہین جیسا کہ آئینہ کا عکس اور اصل

[1] فہم انسانی۔ کتاب ۲۔ باب ۲۳ بند ۵۔

شے۔ اگر کوئی شخص اُس کے خلاف کہے تو وہ بہت سے لوگوں کو نہایت ہی عجیب معلوم ہوگا تاہم جو آدمی اسپر غور کریگا کہ جو آگ ایک خاص فاصلہ پر رہ کر ہمارے اندر گرمی کا احساس پیدا کرتی ہے وہی قریب آکر تکلیف یا درد کا ایک بالکل مختلف احساس پیدا کرتی ہے۔ اسکو اپنے دلمین سوچنا چاہیے کہ یہ کہنے کے لیے اس کے پاس کیا حجت ہے کہ گرمی کا تصور جو آگ نے اس مین پیدا کیا ہے وہ تو واقعاً آگ مین پایا جاتا ہے۔ اور تکلیف کا تصور جو اسی آگ نے اسی طریقہ سے پیدا کیا وہ خود اس آگ مین نہین ہے[1]" اسی طرح کے تحلیلی دلائل کی مدد سے رنگ ذائقہ بو وغیرہ دوسرے صفات ثانوی کی نسبت بھی یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان کا وجود ذہن سے الگ نہین ہے۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ نہ صرف لاک کے نزدیک بلکہ تقریباً تمام حکما (سائنٹسٹس) اور خود ماوین مین مسلم ہو چکا ہے اس لیے ہم بخوفِ طوالت یہان اسکی تفصیل کو نظرانداز کرتے ہین۔

یہ تسلیم کر چکنے کے بعد، کہ ہم کو براہ راست صرف اپنے ذہنی تصورات کا علم ہے اور یہ تصورات، جن موجود فی الخارج صفات حسی سے ماخوذ ہین وہ کسی غیر محسوس محل جوہری (مادہ) کے ساتھ نہین قائم ہین۔ نیز ہمارے محسوسات کا بڑا حصہ (صفات غیر حقیقی ذہن سے باہر مطلقاً نہین پایا جاتا۔ اور ان کی حقیقت احساسات ذہنی سے زیادہ نہین اب تصوریت کی تکمیل کے لیے صرف اِسکی ضرورت تھی کہ صفات غیر حقیقی کے حکم کو وسیع کر کے صفات حقیقی کو بھی انھی مین داخل کر دیا جائے۔

برکلے نے یہی کیا۔ یعنی صفاتِ حقیقی اور غیر حقیقی کی تفریق اُٹھا دی۔ جب یہ پوری طرح محقق اور مسلم ہو چکا ہے کہ باصرہ، سامعہ، ذائقہ اور شامہ تمام آلات حس کے محسوسات

---

[1] فہم انسانی کتاب ۲ - باب ۸ - بند ۱۶ و ۱۵

محض ذہنی ہین، جن کا احساس کرنے والے سے باہر کوئی وجود نہین، تو پھر صرف ایک
حاسہ لمس کے محسوسات کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اگر یہ قطعی ہے
کہ ہم کو صرف اپنے تصورات ذہنی کا علم ہے تو پھر یہ کہنا بالکل بے معنی ہے کہ رنگ، مزہ
بو، اور آواز وغیرہ کے تصورات تو محض تصور کرنے والے ذہن کی مختلف کیفیات
ہین۔ لیکن امتداد، شکل اور حرکت وغیرہ کے تصورات موجود فی الخارج چیزون کا عکس
یا مثنی ہین۔ اس کے علاوہ صفات اولی کے تصورات کا صفات ثانوی کے تصورات
سے الگ کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ کوئی شخص یہ نہین کر سکتا کہ امتداد کا بے کسی نہ کسی رنگ
کے تصور کر سکے۔ لہذا جہان رنگ کا وجود ہے وہین امتداد کا بھی ہونا چاہیے۔ یعنی
ذہن مین اس امر کو وضاحت کے ساتھ دلنشین کرانے کے لیے کہ صفات حقیقی اور
غیر حقیقی یا اولی اور ثانوی کی تفریق محض بے بنیاد ہے۔ ہم ایک مثال سے مدد لیتے
ہین۔ جسپر غور کرنے سے اصل حقیقت بالکل کھُل جاتی ہے۔

ایک پیدائشی اندھے کی ہتھیلی پر زور سے ایک بید مارو تو اس کے
ذہن مین ایک خاص کیفیت پیدا ہوگی جسکو درد یا تکلیف کے احساس سے تعبیر کیا
جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس صرف اُس کے ذہن مین پایا جاتا ہے۔ نہ کہ بید مین
ساتھ ہی اس بید اور ہتھیلی کے تصادم سے ایک اور احساس بھی پیدا ہوگا جسکا نام
آواز ہے۔ یہ آواز بھی محسوس کرنے والے ذہن ہی کی ایک کیفیت ہے کسی ایسی
شے کا مثنیٰ یا مثال نہین جو ذہن سے باہر بید یا ہتھیلی مین موجود ہے۔ اب تم اس
بید کو آہستہ سے اس اندھے کی ہتھیلی پر رکھو تو درد اور آواز سے بالکل مختلف ایک
حالت ذہن مین پیدا ہوگی جسکو احساس لمس کہا جاتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے، کہ یہ

احساسِ مس کی حالت احساس کرنے والے باہر بید مین پائی جاسکتی ہے۔ اب ذرا اسی بید کو اس کی ہتھیلی پر پھراؤ تو ایک نیا احساس پیدا ہوتا ہے جسکو وہ سرسراہٹ کہتا ہے، انصاف سے بتاؤ کہ کیا سرسراہٹ بھی اسی طرح محض ذہن کا ایک احساس نہین جس طرح مس تھا۔ اسی سرسراہٹ کے حس ہی کا دوسرا نام تو حرکت ہے جس کو کوتاہ نظری سے صفات ثانویہ سے الگ کرکے خواہ مخواہ صفت اولی کا لقب دیا گیا ہے۔

اس تجربہ کو ابھی اور ذرا وسیع کرو، اور اس اندھے سے کہو کہ بید کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولے اور مٹھی مین دباوے، تو دو اور بالکل جدید کیفیات محسوس ہونگی۔ جن کا نام بید کی لمبائی (امتداد) اور گولائی (شکل) ہے۔ یہ دونون بھی احساس مس ہی سے ماخوذ بلکہ اسی کی مختلف صورتین ہین اسی مثال پر ذرا دھیان رکھنے سے یہ بالکل روشن ہوجاتا ہے کہ کم از کم لمسی امتداد، شکل، حرکت وغیرہ کی حقیقت تو درد، آواز، لمس وغیرہ کی طرح محض ذہنی حس ہے۔ اور ان کے وجود خارجی کا اذعان واثبات سراسر تعصب اور مکابرہ ہے۔

اصلی وسوسہ، جو اشیا کے وجود خارجی کے اعتقاد کو دل سے نہین نکلنے دیتا، وہ امتداد، شکل، حرکت وغیرہ کی مرئیت یا حس بصری ہے نہ کہ حس لمسی۔ اس کھٹک کو کیا کیا جائے کہ ہم کو اپنے ذہن سے باہر مختلف قدوقامت اور مختلف شکل وصورت کی چیزین علانیہ مختلف فاصلون پر حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہین۔ اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ رنگ بھی ہم کو علانیہ ذہن سے باہر نظر آتا ہے، حالانکہ اس کو کوئی بھی موجود فی الخارج نہین سمجھتا۔ لیکن تحقیقی جواب وہ ہے، جسکے لیے برکلے نے مبادی سے پہلے جدید نظریۂ رویت لکھا تھا، جسکا تفصیلاً اوپر ذکر گذر چکا ہے اور یہ ثابت کیا جاچکا ہے،

کا استداد وغیرہ کو مرئی خیال کرنا محض التباس حواس ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چیزون کا مختلف طول و عرض و اشکال و حرکات کے ساتھ مختلف فاصلون پر نظر آنا بھی تو ایک احساس ہی ہے لمس کا نہ سہی بصر کا سہی اور احساس کا بغیر کسی احساس کرنے کے یا اُس سے باہر موجود ماننا کیا ایک بین تناقض نہین ہے، رہا یہ خدشہ کہ استداد، حرکت، شکل وغیرہ صفات یا اعراض ہین جن کے قیام کیلیے کسی محل جوہری کا ہونا لازمی ہے، تو اولاً تو یہ لزوم، فلاسفہ کا ایک بے دلیل فرضی ڈھکوسلا ہے جسکی بنا اُسی غلط **نظریہ تجرید** پر ہے۔ ثانیاً یہ کہ خود ذہن ہی کو کیون نہ وہ محل جوہری قرار دیا جائے، جسکے ساتھ امتدادات کا وغیرہ کا احساس اُسی طرح قائم ہے جس طرح غم، غصہ، لذت والم وغیرہ کے احساسات۔ اِس کے ماسوا، جس طرح عام خیال یہ ہے کہ **نفس** اور **جسم** دو بالکل مستقل اور الگ الگ قائم بالذات چیزین ہین اور جسم جب آلات حس پر عمل کرتا ہے تو نفس مین احساسات پیدا ہوتے ہین۔ اسی طرح دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خود نفس ہی مین ایسی قوت موجود ہو کہ بلا کسی خارجی اعانت کے کامل ترتیب و انضباط کے ساتھ احساسات کو اپنے اندر خلق کرتا رہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت سے فرض کرنے مین کوئی استحالہ نہین ہے، اور اس صورت مین بھی تم خارجی محل جوہری کے وجود پر تمام وہ دلائل پیش کر سکتے تھے، جواب کرتے ہو، حالانکہ اُس وقت یہ دلیلین واقع کے قطعاً خلاف ہوتین، غرض احساسات ذہنی کی تخلیق کے لیے خارج از ذہن جوہر جسمی یا صفات محسوسہ کے لیے محل کا وجود ماننا کسی ناقابلِ انکار استدلال پر نہین مبنی ہے۔

اور برکلے کی **تصوریت** کا ماحصل یہ ہے کہ تمام وہ چیزین جن کا بالذات و براہ راست حواس سے علم ہوتا ہے، وہ اسی طرح محض ہمارے تصورات ذہنی ہین جس طرح حافظہ

اور تخییل کے آفریدہ احساسات ثانیہ مثلاً اس وقت جو کتاب تمھارے ہاتھ مین ہے، اس کی مخصوص شکل وصورت کو براہ راست اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہو، لیکن کسی دوسرے وقت جب یہ کتاب سامنے نہ ہو تب بھی حافظہ یا تخییل کی مدد سے تم اس کی اُس مخصوص شکل وصورت کا اپنے ذہن مین تصور باندھ سکتے ہو۔ عام خیال کے مطابق کتاب کا پہلا تصور ایک خاص مادی اور ذہن سے باہر موجود فی الخارج کتاب کا پیدا کیا ہوا ہے، اور دوسرا محض ذہنی ہے۔ مگر برکلے کے نزدیک دونون محض ذہنی ہین۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا زیادہ واضح، مرتب ومنضبط ہوتا ہے اور ہمارے ارادہ کا تابع نہین ہوتا۔ یہ نہین ہوسکتا، کہ ہم آنکھ کھولین اور ہمارے سامنے رکھی ہوئی کتاب کا دکھنا یا نہ دکھنا ہمارے اختیار کی بات ہو۔ بخلاف اسکے جب یہ کتاب سامنے نہو تو حافظہ کی مدد سے اسکے احساس ثانی کا تصور پیدا کرنا، نہ کرنا ہمارے اختیار وارادہ پر منحصر ہے۔ اِسی فرق کی بنیاد پر اول الذکر قسم کے تصورات کو اصلی اور حقیقی کہا جاتا ہے، اور ثانی الذکر کو تمثالی اور غیر حقیقی فلسفہ طبیعی (نیچرل فلاسفی) کا کام ان ہی تصورات اولی کی ترتیب وانضباط کا مطالعہ ہے۔ اِس مطالعہ اور بہم تجربات سے ان تصورات کے اندر جن باہمی علائق کا ہمکو علم حاصل ہوتا ہے، انہی کا نام قوانین فطرت (لاز آف نیچر) ہے، ان علائق مین سب سے اہم وہ علاقہ ہے، جسکو علت ومعلول کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جسکی حقیقت اس سے زیادہ نہین کہ ہم کو تجربہ یہ بتلا دیتا ہے کہ فلان فلان تصورات کے بعد فلان فلان دوسرے تصورات ذہن پر طاری ہونگے مثلاً کھانا کھانے کے تصور کے بعد آسودگی یا کرب گرسنگی کے زوال کا تصور نیند کے بعد تازگی کا تصور، آگ کے بصری احساس یا تصور کے بعد گرمی کا لمسی احساس یا تصور، وغیر ذالک۔ خلاصہ یہ کہ عام طور پر حکما فلسفہ طبیعی یا سائنس کا موضوع مادہ کے خواص

و انفعال کی تحقیق سمجھتے ہین لیکن درحقیقت حکمیات کے تمام شعبون کا تعلق تصورات کے محض باہمی علائق سے ہے، جن کے مطالعہ کے لیے فلاسفہ کے محل جوہری کا ماننا مطلق ضروری نہین۔

اس موقع پر برکلے کی نسبت ایک عام غلط فہمی کو اچھی طرح رفع کرلینا چاہیے جسپر اسکے مخالفین کی مضحکہ خیزیون کی بہت کچھ بنیاد ہے، انسان کے تمام معلومات کا اصلی سرچشمہ جیسا کہ لاک نے کہا ہے، صرف حواس ہین اس لیے اگران کی شہادت پر سے اعتماد اُٹھالیا جاے، تو پھر ہمارے خزانۂ علم مین صفر کے سوا کچھ نہین رہجاتا۔ دریا، پہاڑ، مکان، درخت، حیوانات، خود اپنا جسم، غرض دنیا کی تمام چیزون کا حواس اور صرف حواس سے علم ہوتا ہے، برکلے کے اس کہنے سے کہ یہ تمام محض انسان کے تصورات ذہنی ہین، یہ دھوکا ہوتا ہے کہ وہ شہادتِ حواس کی تکذیب کرتا ہے، اور اس لیے دنیا کو حقیقی چیزون کے وجود سے محروم کرکے ساری کائنات کو محض ایک خیالی طلسم خانہ بنا دینا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ تمسخر انگیز اور دیوانہ پن کی اور کیا بات ہوسکتی ہے لیکن دراصل یہ اُن لوگون کا اعتراض ہے، جنھون نے آنکھین کھول کر سبادی یا مکالمات ہلکس کے پڑھنے کی زحمت نہین گوارا کی بلکہ سُنی سنائی باتین لے اُڑے، ورنہ درحقیقت جو الزام تم اُس پر لگا رہے ہو، وہ اُلٹے اس کا مُجرم اپنے حریفون کو قرار دیتا ہے، وہ صرف انھی چیزون کو حقیقی اور واقعی تسلیم کرتا ہے جنکا براہ راست آلات حس اور صرف آلات حس سے ادراک ہوتا ہے، البتہ عام فلاسفہ اور حکما حواس پر بھروسہ نہ کرکے محسوسات کے ماورا ایک سرتاسر غیر محسوس اور نامعلوم شے کا وجود مانتے ہین جس کو مادہ، جوہر، محل، ہیولی، خدا جانے کن کن نامون سے یاد کرتے ہین۔ ع، خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند،

اندھیر یہ ہے کہ اسی نادیدہ کا نام اصل اور حقیقت رکھتے ہین، اور برکلے پردہ بہتان لکھتے ہین جو خود پر چھایا جاتا ہے اب سنو کہ برکلے کیا کہتا ہے "وہ چیزین جن کو مین آنکھون سے دیکھتا اور ہاتھون سے چھوتا ہون، وہ موجود ہین، حقیقتاً موجود ہین، ان کے وجود مین مجکو ذرہ بھر بھی شبہ نہین جس چیز کا مین منکر ہون، وہ صرف وہ ہے جسکو فلسفی مادہ یا جوہر جسمی کہتے ہین، اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم چیزون سے واقعیت یا وجود کو چھین لیتے ہین تو وہ جو کچھ کہا گیا ہے مطلق نہین سمجھا[1]....."

اگرچہ ثنویہ کی طرح برکلے کائنات کی تعمیر کے لیے مادہ اور روح دو مختلف الماہیتہ عناصر ضروری نہین خیال کرتا اور اس حیثیت سے وہ وحدیہ کے زمرہ مین داخل ہے لیکن ایک دوسری حیثیت سے، وہ ثنوی نہین بلکہ تثلیثی ہے، یعنی عدداً وہ تین چیزین الگ الگ مانتا ہے۔ تصورات حسی، نفس، جو ان تصورات کا ادراک کرتا ہے اور وہ روح برتر، جو ان تصورات کو نفس پر مرتسم یا طاری کرتی ہے، عرف عام مین انھی تینون کو بالترتیب نیچر (موجودات حسی) ذہن انسانی، اور خدا کہا جاتا ہے یہی تثلیث برکلے کے نظام فلسفہ کا سب سے کمزور اور ناقابل حمایت حصہ ہے۔ یہ ٹھوکر محض اس نے اپنے مذہبی غلو اور جوش کی بدولت کھائی ہے۔

بہ ظاہر یہ ایک بالکل بدیہی بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تصورات و ادراکات کا وجود ناقابل انکار ہے تو پھر لامحالہ کوئی تصور و ادراک کرنے والی ذات بھی ہونا چاہیے، وہی ذہن، نفس، یا انسان ہے، یہ بہ لحاظ اپنی حقیقت کے اسی طرح ایک جوہر روحی یا غیر مادی ہستی ہے، جس طرح خدا۔ فرق یہ ہے کہ یہ مخلوق ہے، اور خدا خالق۔ لیکن ایک بار مخلوق

[1] مبادی۔ بند۔

ہونے کے بعد اب یہ ہمیشہ کے لیے ناقابلِ فنا ہے۔ یہ نفس چونکہ تصورات کا حامل اور اُن پر عامل ومتصرف ہے، اس لیے گویا اُسکی حقیقت مین فاعلیت داخل ہی باقی تصورات تو محض منفعل ہین۔ لہذا خود اپنے نفس کا تصور نہین ہوسکتا، ورنہ پھر وہ بھی بجاے فاعل کے منفعل اور تصور کرنیوالی ذات کی جگہ خود ایک تصور بنجائیگا۔ اس بنا پر اس نفسِ مدرک کا علم ہمکو اپنے تصورات سے محض استنباطاً حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی استنباطی علم کا نام برکلے نے درک (نوشن) رکھا ہے۔ اب ہم دریافت کرتے ہین کہ کیا، ادراکات اور تصوّرات سے معرا کر لینے کے بعد ہستی مدرک کے ہم کچھ بھی معنی سمجھ سکتے ہین؟ کیا افکار وادراکات کے تسلسل کے ماسوا نفس کی کوئی اور ماہیت ثابت کیجاسکتی ہے؟ اور کیا تسلسلِ افکار واحساسات سے مجرد کر کے الگ ایک جوہر روحی کا وجود قبول کرنا اس سے کچھ وقیع تر ہے، جتنا، صفات محسوسہ سے مجرد کر کے جوہر جسمی (مادہ) کا ماننا؟ کیا فکر وادراک سے مسلوب نفس، مادہ کی طرح ایک مہمل اور بےمفہوم لفظ نہین ہی؟ ان تمام سوالات کے جواب مین ہمکو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برکلے نادانستہ تجرید کے اسی گناہِ عظیم کا مرتکب ہوا ہے، جس سے احتراز کو اُس نے اپنے فلسفہ کا سنگ اساس قرار دیا تھا۔ اور جسکو وہ اپنے تمام پیشرو فلاسفہ کی گمراہی کا منشاءِ وحید یقین کرتا ہے۔

روح برتر یا خدا کے وجود کا استدلال اس سے بھی کم مایہ ہے، جو تصورات براہ راست حواس کی وساطت سے حاصل ہوتے ہین چونکہ ان کا پیدا اور فنا کرنا ہمارے قدرت واختیار سے باہر ہے لہذا انکی آفرینش کے لیے کوئی اور صاحب ارادہ اور انسانی اذہان سے وسیع القدرت ذات ہونی چاہیے اور چونکہ یہ تصورات حسی ایک خاص نظم وترتیب کے ساتھ اور مقررہ اصول کے ماتحت پیدا ہوتے ہین، اس لیے وہ ذات حکیم بھی ہی، وکذالک

واحد، غیر منقسم، فعّال، ازلی، ابدی وہ تمام اُن صفات کی جامع ہے جو ایک کامل ترین
ہستی مین پائی جانی چاہیین، اولاً تو یہ قول مل کے یہ کہنا صحیح نہین کہ تصورات حسی کے
علاوہ باقی تمام تصورات انسان کے ارادہ کے تابع ہین، سیکڑون خیالات ہمارے ذہن
مین بلا ہماری خواہش اور ارادے کے پیدا ہوتے رہتے ہین، بلکہ اگر ہم انکو دور کرنا چاہتے ہین
تو نہین کر سکتے، لہذا جب انکی آفرینش کے لیے کسی برتر روح کی احتیاج نہین تو تصورات
حسی کی کیا تخصیص ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر تصورات کی خلقت کے لیے کسی سبب کا ہونا
ناگزیر ہے، تو پھر ہم اُسی مادہ کو کیون نہ مان لین کیونکہ جس طرح صفات محسوسہ سے منفصل کر کے
مادہ کا وجود ہمارے لیے ناقابل فہم و تصور ہو جاتا ہے، اُسی طرح خدا کو جن صفات سے
متصف یا منزہ بتلایا جاتا ہے، مثلاً ناقابل احساس غیر محدود غیر مخلوق ہر جا موجود
وغیرہ، ان کی حامل ذات کا بھی ہماری سمجھ مین آنا قطعاً ناممکن ہے؛ رہی یہ بات کہ بہ نسبت
کسی بے حس ادراک ہستی کے ایک صاحب قدرت و ذی ارادہ ہستی کو خالق تصورات
ماننا زیادہ قرین قیاس ہے، ایک غیر ثابت اور بحث طلب مسئلہ ہے، البتہ اس قیاس
کی صحت کے نفس امکان یا امکان مرجح سے بجز جاہل ملاحدہ کے کوئی فہمیدہ آدمی انکار
نہین کر سکتا ایک دوسری دلیل جو برکلے نے وجودِ خدا پر قائم کی ہے وہ دراصل ان بعض
اعتراضات کے بچاؤ کیلیے ہے، جو اُسکے اصول کو قبول کرنے سے پیدا ہوتے ہین مثلاً اذا جب
تمام محسوسات انسان کے محض ذہنی تصورات ٹھہرے تو پھر ڈرائنگ روم مین جس وقت
کوئی آدمی (تصور کرنے والا ذہن) نہین ہے، تو وہان فرنیچر کا بھی مطلقاً کوئی وجود نہین
ہے، اور جیسے ہی کوئی شخص کمرہ مین داخل ہوتا ہے، تمام چیزین پیدا ہو جاتی ہین، دوسرے
لفظون مین یون کہو کہ تمام چیزین ہر وقت پیدا اور فنا ہوتی رہتی ہین، کسی شے کا کوئی

مستقل اور دائمی وجود نہین (۲) جب کسی شے کا ذہن سے باہر وجود نہین اور مختلف آدمیون کے تصورات کسی ایک وجود خارجی کا عکس نہین ہین تو اس کے معنی یہ ہوے کہ بعینہ کسی ایک ہی چیز کو دو آدمی نہین جانتے۔ جس آفتاب کو زید دیکھ رہا ہے، بعینہ اسی کو عمر نہین دیکھ رہا ہے، کیونکہ اس کی مستقل بالذات کوئی ہویت ہے ہی نہین۔ یہ اور بات ہے کہ دونون کے تصورات اس قدر باہم مشابہ اور مماثل ہون کہ کوئی فرق نہ کیا جا سکے لیکن وہ ایک ہی شے کے تصورات نہین ہو سکتے۔ اس قسم کے اعتراضات سے بچنے کے لیے برکلے نے ایک برتر روح یا ذہن (خدا) کی آڑ مین پناہ لی۔ اگر تمام انسانی اذہان فنا بھی ہو جائین تب بھی تمام چیزین خدا کے ذہن مین موجود ہین اور ہر شے کا ہر وقت پیدا اور فنا ہونا نہین لازم آتا۔ اسی طرح زید و عمر دونون کے تصورات خدا کے تصور واحد کا پرتو ہین جسکی ہویت مین کبھی کوئی تبدیلی نہین واقع ہوئی۔

لیکن ہمارے نزدیک فلسفہ کے نقطۂ نظر سے، اُن اعتراضات ہی کی سرے سے کوئی وقعت نہین۔ عام خیال کی رو سے البتہ یہ ایک بہت عجیب اور نہایت ہی مستبعد بات معلوم ہوتی ہے کہ چیزین ہر لحظہ پیدا اور فنا ہوتی رہتی ہین، یا زید و عمر کے ذہن مین آفتاب کے الگ الگ جو احساسات ان کو پیدا ہوتے ہین، وہ کسی تیسرے بعینہ ایک مستقل اور قائم بالذات آفتاب سے ماخوذ نہین ہین لیکن فلسفہ تعصبات عامہ کا پابند نہین ہے۔ وہ اسکی مطلق پرواہ نہین کرتا کہ اس کی تحقیقات سے دنیا کے عام عقائد اور مسلمات کو کیا صدمہ پہونچے گا۔ اسکی خردہ گیری سے حکمت و ریاضی کے مبادی کو بھی جو اپنی جگہ پر قطعی خیال کیے جاتے ہین پناہ نہین حاصل۔ لہذا وہ نہایت دلیری سے یہ دریافت کر سکتا ہے کہ اچھا اگر یہ چیزین ہر آن پیدا اور فنا ہوتی رہتی ہین تو رہنے دو یا جس آفتاب

کو دیکھ رہا ہے۔ عمر لعینہ اسی کو نہین دکھتا تو نہ دیکھے، اسمین قباحت اور عقلی استحالہ کیا ہی؟ باقی اگر عام معتقدات کا لحاظ کیا جاے تو پھر فلسفہ کو ہمیشہ کے لیے روپوش ہوجانا چاہیے، اور برکلے کو یہ کہنے کی ہرگز ہمت نہ کرنی چاہیے تھی کہ اشیا کا ذہن سے باہر مطلق کوئی وجود نہین کیونکہ اس سے زیادہ شاید ہی کوئی اور چیز معتقدات عامہ کو صدمہ پہونچا سکتی ہو۔ اصل یہ ہی کہ برکلے نے جس فلسفیانہ جرأت سے ہزارہا سال کے پردۂ تعصبات کو چاک کر دیا تھا، اس کو وہ آخر تک نہ نباہ سکا۔ اور جس راستہ کا رہنما تھا، خود اُس سے بھٹک گیا، مگر کیا کیجیے کہ یہ خود فراموشی وہ بشری کمزوری ہے جس سے بچنے کا کوئی انسان رہ کر دعوی نہین کر سکتا۔

برکلے نے جابجا اس بات پر نہایت وثوق آمیز اور مدعیانہ اصرار کیا ہی، اگر اس کا فلسفۂ تصوریت قبول کر لیا جاے، اور موجودات خارجی کے اعتقاد کو ذہن سے نکال دیا جاے تو (الف) مباحثِ الٰہیات کی بیسیون گتھیان، جو ہزارہا سال سے لاینحل چلی آتی ہین از خود وا ہو جاتی ہین، اور (ب) تشکیک یا ارتیابیت کا ہمیشہ کیلیے قدم اکھڑ جاتا ہے۔ اگر دنیا کا کوئی فلسفہ بھی ایسے اہم نتائج کا ذمہ دار اور حامل ہو تو اسکی عظمت سے ذرہ بھر بھی انکار نہین کیا جا سکتا ہے لیکن ہم کو شک ہی کہ تصوریت کا اصول اس معیار پر پورا اُترتا ہے، رہا خود برکلے کا اتنا غیر متزلزل ادّعا، تو وہ اس جوش اور انہماک کا عین اقتضا تھا، جو ہر مکتشف اعظم کو اپنے اکتشاف و اجتہاد کے ساتھ ہوتا ہے۔

بلاشبہہ موجودات خارجی یا مادہ سے دست بردار ہو جانے کے بعد ان بحثون کا قطعی استیصال ہو جاتا ہے کہ مادہ کی کیا حقیقت ہی؟ اس مین حیات اور فکر ہے یا نہین؟ نہین تو کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ وہ ذہن پر کیونکر تصرف و عمل کرتا ہے؟ قدیم ہے یا حادث؟ اسکی قسمت پذیری متناہی ہے یا غیر متناہی؟ وغیر ذالک۔ لیکن کیا اُن کے مقابل مین نفس یا

روح کے بارے مین اتنے ہی لاینحل سوالات نہین کیے جاسکتے؟ روح کیا ہی؟ فکر و حیات اس کے افعال ہین یا ماہیت؟ وہ ازلی ہے یا مخلوق؟ فانی ہی یا ناقابل فنا؟ انسانی روح اور روح برتر (خدا) مین کیا علاقہ ہے؟ خدا نفوس انسانیہ پر کیونکر متصرف و عامل ہے؟ خود خدا کی ہستی سے متعلق اس سے بھی بڑھکر محیر العقل پیچیدگیان رونما ہوتی ہین۔ اسکی ازلیت، نامحدودیت، عالم الغیبی وغیرہ سیکڑون صفات مین سے کسی ایک کا بھی ہماری سمجھ مین آنا قطعاً ناممکن ہے، برکلے نے نفس انسانی اور خدا کی نسبت ان گرہون کے کھولنے کی کوشش کی ہے اور مبادی کا آخری حصہ (بند ۸۵-۱۵۶) کہنا چاہیے کہ کل کا کل انھی چیزون کی نذر ہوگیا ہے۔ لیکن تم خود اس کو پڑھ کر انصاف سے بتلاؤ کہ اسکی بساط کچھ بھی مدرسیہ یا ہمارے متکلمین کے اُس طلسم الفاظ سے زیادہ ہے جسکی برکلے نے مقدمۂ مبادی اور دیگر تصانیف مین جابجا ہنسی اُڑائی ہے۔

اب رہا تشکیک وارتیابیت کے سدباب کا دعوی تو اس مین کلام نہین کہ جہانتک خود برکلے کے ذاتی اذعان کا تعلق ہے، تاریخ فلسفہ مین شاید ہی کوئی فرد اُس سے زیادہ ارتیابیت کا دشمن مِل سکے۔ لیکن اسکو خبر نہ تھی کہ نادانستہ وہ خود اپنے حریف کے لیے راستہ صاف کر رہا ہے اور معنًا اُسکی تصوّریت سے زیادہ فلسفہ کا کوئی مذہب تشکیک کی پشت پناہی نہین کرسکتا۔ بہ ظاہر تو یہ بات بالکل بدیہی معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم اپنے تصوّرات ذہنی یا احساسات کے ماورا کسی شے کے قائل ہی نہین تو لامحالہ اس شک کے لیے کوئی گنجائش ہی نہین نکلتی کہ ہمارے احساسات موجودات خارجی (مادہ) کے کسی حدتک مطابق اور نمایندہ ہین یا سرے سے کچھ بھی مطابقت رکھتے ہین یا نہین جب محسوسات کی کل حقیقت ہمارا احساس ذہنی ہی ہے، اور اپنے احساسات ذہنی

کے وجود مین شبہ نا ممکن ہے کہ ان سے زیادہ اور کیا چیز عیان تر ہو سکتی ہی۔ تو اب پھر اشتباہ و تذبذب کا محل ہی کیا ہے؟

لیکن اصل یہ ہے کہ اولاً تو **تشکیک** کے یہ معنی نہایت محدود ہین' اور دشمن کے کسی ایک قلعہ کی تخریب سے اسکی شکست کا کیونکر یقین و اعلان کیا جا سکتا ہی۔ مان لیا کہ محسوسات کا کوئی خارجی محل (مادہ) نہین ہے' اسلیے اُسکے علم و عدم علم کی بحث لاعینی نہے۔ لیکن یہ خلش اب بھی باقی رہ جاتی ہے کہ احساسات یا تصورات کیونکر پیدا ہوتے ہین' خود **نفس مدرک** ہی ان کا خالق ہے یا کوئی اور ذات؟ **نفس مدرک** یا اُس **ذات آخر** کی کیا ماہیت ہے؟ تخلیقِ تصورات کی کیا غایت ہے؟ یہ اور اس قسم کے سیکڑون وسوسون مین سے کیا ایک کا بھی فیصلہ کن جواب دیا جا سکتا ہے؟ یا ایک لمحہ کےلیے بھی یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ ان مین سے ایک بات بھی ہمارے لیے اُس طرح غیر مشتبہ اور بدیہی ہے' جس طرح اپنے تصورات ذہنی کا نفس وجود؟ مگر ان سب باتون سے قطع نظر کر کے ہم دریافت کرتے ہین کہ بے تھاہ مواج سمندر' آتش فشان پہاڑ افریقہ کا صحراے اعظم' ہمالیہ کی ہزارون فٹ بلند چوٹیان' آفتاب کا ہیبت ناک جرم ناری' سامنے کے درخت' مکانات' چلتے پھرتے جانور اور آدمی' خود اپنا جسم' کیا ان مین سے کسی ایک شے کے بھی وجود خارجی کی نسبت **شک** یا وہم شک بھی ممکن معلوم ہوتا تھا' کیا وہ شخص قطعی فاتر العقل نہ خیال کیا جاتا' جو ان کو اپنے یا دوسرون کے محض ذہنی تصورات قرار دیتا؟ لیکن تم نے دیکھ لیا کہ برکلے نے اُسی قسم کے استدلالات اور اسی قسم کی منطق سے جس سے ان چیزون کا ناممکن الشک وجود خارجی ثابت کیا جاتا تھا' اِس طرح انکو محض ذہنی کر دکھلایا کہ ہم کو خود اپنے وجود مین شک ہونے لگا' یہ ظاہر ہے کہ برکلے کے دلائل دُنیا کی

اعتقاد کو نہین پلٹ سکے۔ لیکن کیا ایک سوچنے والے دماغ مین ان سے طرح طرح کے شکوک اور وسوسے نہین پیدا ہوگئے؟ تصوریت کا نظریہ بے شبہ اٹل نہین ہے، لیکن کیا اسکی صحت کا کم از کم امکان و احتمال نہین پیدا ہوگیا، اس نظریہ کی شک آفرین قوت ہی تھی، جس نے پرسیول کو، جو کوئی فلسفی نہ تھا، یہ اعتراف کرنے پر بے بس کردیا، کہ آپ کا (برکلے) خیال بھی اسی قدر اغلب ہے، جتنا وہ خیال (اشیا کا وجود خارجی) جسکی آپ تردید کرتے ہین۔ دونون برابر درجہ کی دشواریون سے دوچار ہین" اس موقع پر ہم اتنا بے کہے نہین رہ سکتے کہ برکلے کے فلسفہ کی تائید و تردید مین سیکڑون اور ہزارون صفحے لکھے گئے ہین لیکن پرسیول کے اس ایک جملہ مین فلسفہ تصوریت کی جتنی صحیح اور جامع تنقید موجود ہے، دوسرون کے دفتر مین بھی نہین، سچ یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک سلیم الطبع عامی آدمی کا ذہن جس نکتہ پر پہنچ جاتا ہے فلسفی کا کج رو اشکال پسند دماغ اسکو نہین پا سکتا۔

غرض یہ ہے کہ برکلے کی تصوریت اذعان بخشی کی طاقت تو نہین رکھتی لیکن دلون مین شک اندازی کے لیے وہ کافی سے زیادہ قوی ہے۔ اور یہ دیکھکر کہ جس چیز کو (اشیاء کا وجود خارجی) کہنا چاہیے کہ ایک بدیہی اور اٹل حقیقت یقین کیا جاتا تھا اسکو محض ایک ہوائی قلعہ اور بے بنیاد شے ثابت کیا جاسکتا ہے، ایک غور کرنے والے آدمی کا اعتماد اپنے علم و استدلال پر سے قطعاً اُٹھ جاتا ہے اور وہ ناچار کم از کم عالم فکر مین تشکیک مطلق مین گرفتار ہو جاتا ہے، برکلے نے جس حربہ کو دشمن کا قاتل خیال کیا تھا، وہ دراصل اسکی حمایت کا سب سے زبردست آلہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ علم کی رسائی لاعلمی سے آگے نہین۔ اور فلسفہ کا منتہا بس یہی ارتیابیت و لاعلمی ہے کہ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نیست۔

لہ دیکھو ذکر مکالمات ہائلس و فلونس

عام تبصرہ

ع اندکے باز گویم از بسیار

انگلستان کے مشہور شاعر اور برکلے کے معاصر الکزنڈر پوپ[1] نے لکھا ہے کہ "آسمان کے تلے کوئی فضیلت نہین جو برکلے مین نہ ہو" یہ خالی شاعری نہین ہے۔ یورپ کے شعراء ایران کے بھاٹ نہین ہوتے، کہ شیطان کو فرشتہ یا آدمی کو خدا کہدین، انکا مبالغہ بس لطف شعری کی حد تک ہوتا ہے، پھر پوپ تو اُن بدنام ہجوگو اور حاسد شعراء مین ہے جسکی زبان سے بہت ہی کم کسی حریف عصر کی تعریف نکلی ہے تم خود برکلے کی سوانح پڑھکر تصفیہ کر سکتے ہو کہ فضل وکمال کی ایسی بے داغ تصویرین قدرت کا ہاتھ ہر روز نہین کھینچا کرتا ع قرنہا باید کہ تا الخ، اس کا دامن ذہنی کمالات کے ساتھ حسنِ سیرت اور حُسنِ عمل کے موتیون سے یکسان طور پر لبریز ہے

عام عادات و اخلاق اتنے دلکش اور بات چیت اس قدر عالمانہ ہوتی تھی کہ اپنے وقت کے زبردست عالم بشپ اٹربری کی زبان سے اولین ملاقات مین یہ الفاظ نکلے کہ "اتنی عقل، اتنا علم، اتنی معصومیت، اتنی تواضع، جب تک مین نے اس شریف زادہ کو نہین دیکھا تھا صرف فرشتون کا حصہ خیال کرتا تھا"، خودداری کا یہ عالم کہ اپنی ذات خاص کے لیے زندگی بھر کسی کا منت کش نہ ہوا۔ آرچ بشپ جیسے جلیل القدر منصب کے

---

[1] اس کا سب سے مشہور کارنامہ ہومر کا ترجمہ ہے ہجوگوئی، معاصرین کے ساتھ علمی حسد اور کینہ دری کے لیے بدنام ہے۔

حصول کے لیے بھی باوجود احباب کے شدید اصرار کے کسی کے سامنے ایک جنبش تک روا نہ رکھی۔ ابنائے جنس کی خدمت کے ولولہ اور قناعت وایثار کا یہ حال کہ ۱۱-۱۱۰ سال پونڈ کی ڈینری کو ٹھکرا کر وطن سے ہزارون میل کے فاصلہ پر نئی دنیا کا ایک خاموش گوشہ (جزیرہ رہوڈ) جا بسایا۔ اہل وطن کی فلاح وبہبود کے لیے تو آخری عمر کے پورے ۱۷-۱۸ برس وقف کردیے۔ عملیت کی یہ انتہا کہ فلسفی ہوکر سوت کاتنے کا کارخانہ چلاتا تھا۔ بیکارون کو مشغول بنانے اور غربا کو روزی سے لگانے کے لیے سَن کی کاشت شروع کی۔ ہودیشی کی ہمت افزائی کے لیے آئرلینڈ کے جلاہون کا بنا ہوا بدترین کپڑا استعمال کرتا تھا۔ تقدس[1] اور عبودیت کا یہ رنگ کہ بارہ، بارہ بجے شب کو اٹھ کر عبادت کرتا تھا، گفتگو مین اسدرجہ محتاط کہ زبان سے کبھی کوئی ایسا کلمہ نہین سُنا گیا۔ منزلی زندگی مین وہ بہترین شوہر، مربی بھائی، فرض شناس باپ اور حق شناس آقا تھا، چھوٹے بھائیون کی تعلیم کا پورا کفیل رہا۔ بچون کی تعلیم وتربیت مین مزدور معلمین پر بھروسہ نہین رکھتا تھا۔ اُن کی ایک ایک حرکت اور ادا کی خود نگرانی کرتا تھا۔ آقایانہ حق شناسی یہ کہ بی بی کی لڑکی کی نرس کی پرورش کے لیے سالانہ باندھ دیا تھا تو بھلا خود اپنے ملازمین سے کیا کیا حسن سلوک نہ کرتا ہوگا۔ ان تمام باتون کے ساتھ نفاست پسند زندگی اور دنیا کی نعمتون سے تمتع کو نہ فلسفیت کے منافی جانتا تھا اور نہ مذہب کا گناہ۔ اُسکے اصطبل مین چھ چھ گھوڑے بندھتے تھے، اس کا مکان آرائش کی چیزون سے سجا تھا، وہ اچھا اور ہوشیار باورچی رکھتا تھا۔

اب اسکی ذہنی زندگی کا صفحہ اُلٹ کر پڑھو تو اسٹورٹ مل نے لکھا ہے کہ برکلے کے عظیم الشان انکشافات نے "اسکے پہلے اور بعد کے علم النفس اور مابعدالطبیعیات مین ابد

[1] سوانح ومکاتیب برکلے از فریزر کا صفحہ ۳۵۷ و ۳۵۸ پڑھو۔

فرق و اختلاف پیدا کر دیا ہے، جتنا نئی اور پُرانی تاریخ یا قدیم و جدید طبعیات مین ہے جیمس
(مبادی نفسیات - جز ۲ صفحہ ۷)، جو تصوّرات کلیہ کے منکر اور فلسفہ تصوریت کے بانی کا بیجد
دشمن ہے، اسکو بھی اتنا اعتراف کرنا پڑا کہ برکلے کا نظریۂ رویت نفسیات کی غیر منفک کڑی ہے"
فکر و اجتہاد اُسکے تمام علمی کارنامون کی روح ہے۔ تقلید سے زیادہ وہ کسی چیز کو
ننگ نہین خیال کرتا۔ اپنے دائرہ سے باہر بھی جس شے کو ہاتھ لگا دیا، اس مین وہ نکتے
زبان سے نکلے جو آگے چلکر فن کے ابواب بن گئے۔ علم الاقتصاد مین ستنفر کے اشارات
نے آدم اسمتھ کی پیش روی کی ہے، علم الاخلاق مین افادیت کے اُس دقیق اُصول
پر نظر پہنچی، جو آج اخلاقیات کا سب سے مقبول نظریہ ہے۔ نظریہ تعلیل مین ہیوم کا رہنما ہے
اُسکے مکالمات انگریزی کے لٹریچر الٰہیات کا بہترین سرمایہ ہین۔ اور اس لحاظ سے وہ
انگلستان کا فلاطون اور سسرو ہے، وسعت نظر کا یہ نقشہ کہ مصر و یونان۔ قدیم و جدید فلاسفہ
اور حکما (علمائے سائنس) مین ایک ایک سے باخبر ہے اور اچھی طرح باخبر ہے، ہمہ گیری
کی یہ کیفیت کہ اُسکے عہد تک حکمیات کے مختلف شعبون نباتات، حیوانات، تشریح، کیمیا،
عضویات، میکانک، علم المرایا، اور طبعیات، وغیرہ مین جو کچھ تحقیقات ہو چکی تھی سب پر عالمانہ
اطلاع رکھتا تھا۔ ریاضیات مین تو خدائے ریاضی نیوٹن کے بعض مسائل کی اسطرح
دھجیان اُڑا دین کہ علمائے ریاضی سے مدتون جواب نہ بن آیا۔ اسکی ہمہ گیری صرف عقلیات
تک محدود نہ تھی، وہ یورپ بھر کی تجارت، زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ پر اسقدر حاوی تھا
کہ اس زمانہ مین اس سے زیادہ کا تصور نہین کیا جا سکتا۔ یہ واقفیت سطحی نہ تھی بلکہ اعداد و شمار کا
حافظ تھا۔ آئرلینڈ مین فنون لطیفہ نے اُسی کے گھر سے رواج پایا۔ غرض صاحب نظریہ کے لیے
اسکی زندگی کا ہر رُخ دلکش اور سبق آموز ہے ع رمز شناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد۔

ضمیمہ

تصورات کلیہ

"مبادیِ علم انسانی" کے مباحث کی تلخیص کے وقت "تصورات کلیہ" کے "مقدمہ" سے صرف اس بنا پر تعرض کیا گیا تھا کہ اسپر مختصراً ایک مستقل مضمون لکھا جا چکا ہے (دیکھو کتاب ہذا صفحہ ۴۷)

لیکن چونکہ یہ بحث بقول ہیوم کے اس قدر اہم ہو کہ "مین اس کو عہد جدید کے سب سے عظیم الشان اور وقیع اکتشافات مین سمجھتا ہون" (کتاب فطرت انسانی" حصہ اول فصل ۷) اسلیے بطور ضمیمہ کے اس مضمون کا داخل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سقراط کا قول ہے کہ کسی چیز کا صحیح علم بلا تصور کلی کیجانب رجوع کیے ناممکن ہو، ارسطو تصورات کلیہ یا ذاتیات اشیاء کی جستجو ہی کو سقراط کا واحد فلسفیانہ کارنامہ خیال کرتا ہے (الٰہیات ارسطو، ذکر سقراط) خصوصاً الٰہیات کی معرکہ آرائیون کا اکھاڑہ قریباً ڈھائی ہزار سال سے یہی مجردات یا کلیات ہین، ریاضیات کے حدود و اصول سراپا مجردات ہین، علوم طبعیہ جن کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے ان کا قدم بھی بے وضع کلیات کے نہین اٹھتا، ہماری روزمرہ کی گفتگو یا تحریر مین دس جملے بھی ایسے مشکل سے ملسکین گے جو الفاظ کلی کے استعمال سے خالی ہون۔ کیا ایک ایسی شے کے وجود واقعی سے، جس کا استیلا اور جسکی احتیاج اسقدر عالمگیر ہو، انکار یا شبہ انکار بھی ممکن ہے

۳۰ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کے روزنامچہ مین قارئین کی توقع کے خلاف اس سوال کا جواب یہ پاتا ہون "مفاہیم کی تقسیم کلی اور جزئی صحیح نہین معلوم ہوتی یا تمام مفاہیم کلی ہین یا تمام جزئی صورت

ثانی قابلِ قبول ہے" پھر ۱۹ اگست ۱۷۰۸ء میں یہ ملتا ہے "زبان مین الفاظ کلی موجود ہین ان کا استعمال اس قدر کثیر اور نا قابلِ اجتناب ہے، کہ دھوکا ہونے لگتا ہے کہ ذہن مین کوئی واقعی مصداق کلی بھی موجود ہے، ورنہ دراصل ذہن مصداق کلی کے تصور سے بالکل عاجز ہے، اسی بنا پر جب کسی حکم کا محکوم علیہ کلی ہو تو ذہن کے سامنے کوئی نہ کوئی جزئی آجاتا ہے اور بربنائے تمثیل وہ تمام افراد پر مجملاً حکم لگا دیتا ہے" برکلے نے اپنی کتاب "مبادیِ علم انسانی" پر جو مقدمہ لکھا ہے ادھر اُس پر نظر پڑی، وہ تمام تر اسی بحث سے متعلق ہے۔ فلسفہ کی نشأۃ جدیدہ کے اِس بلند پایہ فرزند کے ساتھ توارد ذہنی نے ہمت بندھائی کہ اِس موضوع پر بہ حیثیت مجموعی افکار کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کر دون اور خود اس مقدمہ کو بھی اُردو مین ہدیۂ ناظرین کر دون جس کو اس مسئلہ پر خاتم المباحث کہنا چاہیے۔

کلیات کا مسئلہ علی العموم فنِ منطق کا ایک ٹکڑا خیال کیا جاتا ہے، جو ایک حد تک بجا بھی ہے، لیکن مجرّدات یا کلیات کی ماہیت، ان کا منشا اور ان کی حقیقت ذہنی کو روشنی مین لانے کے لیے دراصل نفسیاتی جہت سے فکر و تامل کرنا چاہیے۔ یہان تک پہونچکر معاً خیال آیا کہ اس بحث پر نفسیات کے امام اعظم ولیم جیمس کا فیصلہ معلوم کیے بغیر قلم کو آگے بڑھانا، اس کی پایہ شناسی سے زیادہ اپنی کم نظری کا ثبوت ہوگا، نہایت ذوق و شوق سے اسکی مشہور کتاب "مبادیِ نفسیات" کا گیارھوان باب جو اسی بحث سے متعلق ہے کھولا۔ اور حسن گمان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، کہ بس اب تھوڑی دیر مین ساری گرہین کھُلی جاتی ہین لیکن حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ برکلے کی تیز مشعل کے سامنے موجود ہونے پر بھی اُسکی مجتہدانہ نگاہ دو ہزار برس کے پردہ ہائے

ظلمت کو نہ چیر سکی اور بالآخر اجتہاد نے روایت سے شکست کھائی، استعجاب سے زیادہ تاسف انگیز یہ بات ہے کہ عالم نفسیات کی حیثیت مین بجاے اسکے کہ ایسے اہم مسئلہ کی ذہنی تحلیل و تشریح کرتا۔ اپنی عام عادت کے خلاف مل وغیرہ کے چند اقتباسات کی مناظرانہ اور انشاپردازانہ تنقید پر قناعت کی ہے۔ مجبوراً اب ہم رہنماے وحید بشپ برکلے کا ہاتھ پکڑکر چلتے ہین۔ سب سے پہلے سہولت فہم کے لیے مجردات و کلیات کی توضیح ضروری ہے اور امید ہے کہ اسی توضیح کی روشنی مین ارباب تامل کی نگاہین جادۂ استقامت کو پالین گی۔

زبان مین دو مختلف قسم کے لفظ موجود ہین۔ ایک مثلاً چنگیز خان۔ نپولین۔ ہومر۔ فردوسی۔ اسپنسر۔ ابن سینا وغیرہ، دوسرا انسان۔ اسی طرح لندن۔ پیرس۔ اسکندریہ۔ کلکتہ وغیرہ اور شہر۔ اڈن۔ عربیا۔ لوسٹینا وغیرہ (خاص خاص جہازون کے نام) اور جہاز۔ مبادی نفسیات گلستان، شعر العجم وغیرہ اور کتاب، یا گلڈہال، قصر حمرا، تاج محل وغیرہ اور عمارت، ان مین پہلی قسم کے الفاظ جزئی کہے جاتے ہین اور انسان۔ شہر۔ کتاب۔ عمارت یا ان کے مثل الفاظ کا نام کلیات ہے۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ سفید پتھر، دو سفید کاغذ، سامنے کی الگنی پر ہوا سفید کوٹ لو۔ اور دوسری طرف محض سفیدی یا اسی طرح ایک جانب اپنا لکھنے والا ڈیڑھ گز کا لمبا مستطیل میز، اپنے ہاتھ کا ۶ انچہ والا قلم۔ ایک فٹ کا لمبا کاغذ جسپر لکھ رہے ہو، رکھو، اور دوسری طرف صرف لمبائی۔ ان مین ثانی الذکر یعنی سفیدی لمبائی یا اسی قبیل کے لفظون کو "مجردات" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اول الذکر کو "مولفات" کہہ سکتے ہو۔

اب تقسیم اول کے پہلے قسم مین مثال کے طور پر تاج محل لو۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ خاص عمارت ہے جو آگرہ مین جمنا پر واقع ہے جسکی کرسی ۲۸ فٹ بلند ۳۱۳ فٹ

مربع ہے، جسکے چارون گوشون پر ۱۳۲ فٹ کے اونچے مینار ہین، وسط مین ۱۸۶ فٹ مربع گمبدی مقبرہ ہے۔ یہ ساری عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن نفس لفظ عمارت کے معنی مین نہ تو مربع ہونے کی تخصیص ہے نہ مستطیل نہ مدور، نہ مثلث۔ نہ سنگ مرمر کی شرط ہے نہ سنگ موسی کی نہ اینٹ کی، نہ لکڑی کی نہ مٹی کی۔ یہی حال ادر قیود کا ہے، یا یون کہو کہ یہ لفظ بول کر ہم یورپ، ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ۔ اسٹریلیا۔ کہین کا کوئی مکان کسی شکل، کسی مصالح، کسی ضرورت، کسی حیثیت کا بنا ہو سب کو یکسان طور پر مراد لے سکتے ہین، ان مرادی معنون کا نام علی الترتیب ،،مفہوم جزئی،، اور ،،مفہوم کلی،، رکھ لو۔ یہ ان دو مختلف قسم کے لفظون کی مراد یا مفہوم کا وہ معمولی فرق ہے جسکی بنا پر ہم اپنی روزانہ زندگی مین ان کو دو مختلف مواقع پر استعمال کرتے ہین اور اس مراد استعمال مین عامی اور فلسفی سب برابر ہین، نزاع کی کوئی گنجایش نہین۔

اصل بحث یہ ہے کہ ان مختلف المراد لفظون سے ذہن مین مختلف تصورات کیا پیدا ہوتے ہین؟ اگر تم نے خود تاج محل کو دیکھا ہے، تو جسوقت اس کا تصور ذہن مین باندھنا چاہوگے، تمھارے ملاحظہ اور یادداشت کے درجہ کے مطابق اُسکی دُھندلی یا صاف تصویر ذہن کے سامنے کھنچ جائے گی ورنہ اگر تم نے اس کی نقل و تصویر دیکھی ہے، یا صرف تھوڑا بہت حال سُنا ہے، تو تخیلہ ایک تصویر تیار کر دیگا۔ جو اصل سے بہت سی باتون مین مختلف ہونے پر بھی مجموعاً اس سے بہت کچھ مشابہ ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ اسی طرح اگر ہم لفظ عمارت سے کوئی تصور باندھنا چاہین تو وہ کیا ہوگا؟ آیا وہ نوع عمارت کے تمام ممکن الوجود افراد جزئیہ کے مابہ الاشتراکات کی ایک ایسی جامع مانع متعین تصویر ذہنی ہوگی جو گذشتہ موجودہ آیندہ تمام خاص خاص عمارات کو محتوی ہوگی؟ اگر ذہن کلیات کی کوئی ایسی متشخص تصویر کھینچ سکتا ہے

تواسی کا نام تصور کلی ہے جو اس مضمون کا عنوان ہے، یا وہ کسی ایک خاص فرد عمارت کا تصور، مع اپنے تمام جزئی خصوصیات کے ہوگا۔ لیکن ذہن یہ فرض کرسکتا ہے کہ یہ خصوصیات عمارت کی حقیقت نوعی مین داخل نہین۔ پہلے نظریہ کا اصطلاحی نام **تصوریت** ہی جو برکلے کے قریباً تمام پیشرو فلاسفہ کا مذہب ہے اور دوسرا **اسمیت** کے نام سے مشہور ہے جو خود برکلے اور اُسکے اتباع کا مذہب ہے۔

یہان تک تم نے تصور کلی کی حقیقتِ متعارف کو اچھی طرح سمجھ لی۔ اب ہم تصور مجرد کی کسی قدر توضیح کرتے ہین۔ گو میرے نزدیک مجرد اور کلی الفاظ مین کوئی خاص معنوی فرق نہین۔ لیکن علی العموم الفاظ کی یہ تقسیم کی جاتی ہے، اور موجودہ بحث پر اس تقسیم کی صحت وسقم کا کوئی اثر نہین اس لیے یہان اس قضیہ کا چھیڑنا بے محل ہے۔ اوپر مجردات کی مثالین سفیدی اور لمبائی بیان کی گئی ہین۔ اسی طرح مکانیت۔ شجریت۔ انسانیت۔ مثلثیت مربعیت۔ وغیرہ سب اسکی مثالین بن سکتی ہین۔ تھارے سامنے سفید پتھر کا ایک مربع میز رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میز کا جزئی تصور پتھر، سفید۔ اور مربع وغیرہ متعدد چیزون سے مرکب ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس میز کے تمام اور جزئیات اور خصوصیات کو چھوڑ کر محض سفیدی، محض ربع پن، یا محض حجریت کا متعین تصور قایم کرسکے اگر وہ ایسا کرسکتا ہے تو بس یہی "تصور مجرد" ہے۔

تصور مجرد کا فرق پوری طرح ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بالکل صاف ہے کہ مفہوم کلی اور مفہوم مجرد کوئی بحث اور اختلاف کی شے نہین کیونکہ اس سے کون انکار کریگا کہ "انسان" بول کر کوئی خاص فرد، زید عمر وغیرہ نہین مراد لیا جاتا، بلکہ نوع انسان کے تمام افراد۔ اور لمبائی سے کسی خاص شے قطب مینار۔ یا اہرام مصری کی لمبائی نہین سمجھی جاتی بلکہ ہر مقدار والی شے

کی لمبائی، ہان جس چیز مین جھگڑا ہے، وہ کلیات و مجردات کا مفہوم نہین۔ بلکہ تصور ہے یعنی یہ کہ کلی یا مجرد الفاظ کا ذہن مین کوئی ایسا ہی وسیع اور متشخص مصداق ہوتا ہے۔

لیکن میرے نزدیک ذرا سوچنے کے بعد تصور کلی یا مجرد کا ناممکن الوجود ہونا اتنا ہی صاف ہے جتنا مفہوم مجرد یا کلی کا ناقابل نزاع ہونا۔ بلکہ اس سے زیادہ اگر تم انسان کا تصور اپنے ذہن مین باندھنا چاہو تو اُس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ آدمی کی ایک ایسی فرضی تصویر ہو۔ جسکا رنگ نہ گورا ہو۔ نہ کالا۔ نہ سانولا نہ کوئی اور۔ اسکا نقشہ نہ چینی ہو۔ نہ عربی۔ نہ ہندی، نہ مصری۔ نہ فرنگی نہ کسی اور ملک کا۔ اس کا قد نہ دراز ہو۔ نہ میانہ۔ نہ پست۔ اس کا لباس نہ انگریزی ہو۔ نہ جاپانی نہ ترکی، نہ افغانی۔ نہ عربانی، وہ نہ عورت ہو نہ مرد، نہ بچہ۔ نہ بوڑھا نہ جوان۔ اور پھر سب کچھ ہو۔ دوسرے لفظون مین یون کہو کہ ہزارون اضداد و نقایض کے رفع و اجتماع کا ہیولیٰ ہو۔ مین نہین جانتا کہ زمین کا بسنے والا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا تصور اپنے ذہن مین قایم کر سکتا ہے۔ یہی حال مجردات کا ہے، ذرا توجہ سے غور کرو کہ کیا سفیدی کا کوئی ایسا منزہ تصور تمھارے ذہن مین آسکتا ہے جو نہ برف کی سفیدی ہو۔ نہ روئی کی۔ نہ سنگ مرمر کی، نہ چونہ کی۔ نہ سیب کی۔ نہ ہلکی، نہ گہری، اور ساتھ ہی سب کو شامل ہو یا تمھارے ہاتھ مین سُرخ رنگ چمڑے کا ایک گیند ہے تو کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے کہ رنگ وغیرہ کے تمام خصوصیات کو چھوڑ کر صرف گولائی کا تصور قایم کر سکے؟ یقیناً معمولی تامل کے بعد ہر شخص ان سوالات کا جواب نفی مین دے گا۔

ایک شبہہ یا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ اگر ذہن مجرد یا کلی تصور قایم کرنے سے عاجز ہے تو پھر احکام کلیہ کا تعلق کیا محض کلی الفاظ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ خارج مین کسی کلی کا وجود نہین۔ مثلاً جب یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ مثلث کے تینون زاویے دو قائمون کے برابر ہین،

تو معلوم ہے کہ یہان کوئی خاص مساوی الساقین، مساوی الاضلاع، یا مختلف الاضلاع مثلث مراد نہین۔ بلکہ بلا تخصیص ہر ایک مثلث، اور خارج مین جو مثلث ہوگا وہ ان تمام قیدون سے معرا نہین ہو سکتا۔ لہذا اس حکم کے لیے صرف لفظ مثلث رہ جاتا ہے۔ جو کسی معنوی حقیقت کا محکوم علیہ نہین بن سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام کلیہ کا محکوم علیہ، نہ تو کوئی خارجی ہوتا ہے، نہ تصور ذہنی۔ نہ خود لفظ کلی، بلکہ الفاظ کلیہ یا مجردہ کے وہ معنی مرادی جن کا نام اوپر "مفہوم کلی" اور "مفہوم مجرد" رکھا ہے اب اپنی زیر اعتراض مثال مین دیکھو کہ مطلق مثلث بول کر مراد کیا ہوتی ہے۔ ایک ایسی سطح، جو تین مستقیم خطوط سے گھری ہو۔ جو دوسرے لفظون مین مثلث کی تعریف کہی جاتی ہے، اور جسمین خطوط کی باہمی نسبت کا کوئی ذکر نہین، بس یہی مراد استعمال مثلث سے متعلق تمام احکام کلیہ کا محکوم علیہ ہے، ایک کلیات و مجردات پر کیا موقوف، ہر زبان مین سیکڑون ایسے جزئی الفاظ موجود ہین، جنکے مصداق کا نہ ذہن مین تصور ممکن ہے، نہ خارج مین کبھی حواس سے علم ہوا۔ لیکن وہ دن رات استعمال ہوتے ہین۔ اور بیسیون احکام کا محکوم علیہ بنتے ہین، خدا، جبرئیل، شیطان، روح وغیرہ سب اسی طرح کے الفاظ ہین کہ جن کے مصداق کا نہ کبھی حسی مشاہدہ ہوا، نہ ذہن مین ان کا کوئی واضح اور متعین تصور ہے۔ ان کی نسبت ہم جو کچھ کہتے سنتے ہین، اس کا تعلق صرف معنی مرادی سے ہوتا ہے۔ مثلاً متکلمین کے نزدیک خدا سے مراد ایک ایسی غیر مادی ہستی ہے جو نہ زمین پر ہے، نہ آسمان پر، نہ مشرق مین نہ مغرب مین نہ شمال مین۔ نہ جنوب مین۔ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، اُس کے کان نہین مگر وہ سنتا ہے اُسکے آنکھین نہین مگر وہ دیکھتا ہے۔ بتاؤ تمھارے ذہن مین ایک آن کے لیے بھی ایسی ہستی کا تصور آسکتا ہے؟ قطعاً نہین۔ پھر تم کہتے ہو کہ خدا رزاق ہے، خالق ہے، قادر مطلق

ہے۔ قہار ہے۔ بس معلوم ہوا کہ ان تمام صفات یا احکام کا تعلق، اُسی معنی مرادی سے ہے، نہ کہ تصور ذہنی یا لفظ خدا سے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ عامی آدمی کے معنی مرادی ایک متکلم اور فلسفی سے مختلف ہون بلکہ ہوتے ہین، ہندسہ کے بہت سے اصطلاحی الفاظ مثلاً نقطہ، خط، سطح وغیرہ بھی اسی صنف مین داخل ہین، کون ذہن ایسے طول کا تصور کر سکتا ہے جسمین عرض اور عمق نہو؛ لیکن خط ایسے ہی طول کا نام ہے، اور اُس پر اقلیدس کے صدہا احکام جاری کیے جاتے ہین، کیا ان کا تعلق سوائے معنی مرادی کے کسی اور شے سے ممکن ہے۔ یہی حال نقطہ اور سطح کا ہے۔ اسکو بھی چھوڑ دو۔ تم کہتے ہو کہ اجتماع نقیضین محال ہے۔ بتاؤ اس محالیت کا تعلق کس سے ہے؛ خارج مین اجتماع نقیضین کا وجود نہین۔ ذہن اس کے مصداق کا تصور نہین کر سکتا۔ لامحالہ حکم کا تعلق معنی مرادی سے ہے یعنی کسی شے کا تمام حیثیات سے ایک ہی جگہ ایک ہی وقت مین موجود ہونا اور معدوم بھی ہونا۔

اصل یہ ہے کہ کلیات اور مجردات بھی ایک طرح کے اجتماع وارتفاع متناقضات کا نام ہین، اس لیے نہ خارج مین ان کا وجود ممکن ہے۔ نہ ذہن مین تصور، جب بہ وقت واحد انسان کے مفہوم مین حبشی اور رومی دونون داخل ہین۔ تو سیاہ سفید آدمی کا تصور اس سے زیادہ آسان نہین جتنا مثلث مربع کا۔

اس مین شک نہین کہ کلی اور مجرد الفاظ کے استعمال سے معنی مرادی کے ساتھ ساتھ کبھی ذہن مین متعین تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور ہمیشہ کسی ایک فرد جزئی یا یکے بادیگرے متعدد افراد جزئیہ ہی کا ہوتا ہے۔ فرض کرو جب تم نے پہلے پہل الہ آباد کی نمایش یا کسی موقع پر ہوائی جہاز دیکھا ہوگا، تو جب ہوائی جہاز کا نام آتا ہوگا، تمھاری آنکھون کے سامنے اُسی دیکھے ہوئے جہاز کا نقشہ پھر جاتا ہوگا، لیکن اگر گفتگو کا تعلق اس خاص جہاز سے

نہ ہو تو تمثیل کی بنا پر ذہن مین یون تعمیم پیدا کرلیتا ہے، کہ یہ اور اس جیسے تمام دیکھے اور ان دیکھے جہاز مراد ہین۔ پھر جب ہم روزانہ اخبارات مین ہوائی تاخت کا حال پڑھتے ہین تو تعود کی وجہ سے ذہن ہوائی جہاز کے صرف معنی مرادی پر قناعت کرتا ہے اور کسی جزئی جہاز کا تصور ذہن مین آنا لازمی نہین ہوتا۔ اسیطرح جب تم اول اول دیہات یا اپنے گھر سے بچپن مین ریل کے سفر کے لیے نکلے ہونگے، تو جہان تمھارے لیے ٹکٹ خریدا گیا ہوگا اور ریل پر سوار ہوے ہو گے تو سنا ہوگا کہ لوگ اس جگہ کو اسٹیشن کے نام سے پکارتے ہین۔ چلتے چلتے ایک جگہ ریل ٹھہری ہوگی اور بہت سے نئے مسافر سوار ہوے ہون، اور بہت سے اُتر گئے ہون گے۔ تمھارے ساتھیون نے کہا ہوگا کہ یہ فلان اسٹیشن ہے آخر ایک جگہ تم خود اُتر پڑے ہو گے، اور راستے تجربہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ اسٹیشن سے مراد وہ جگہ ہوتی ہے جہان ریل کچھ دیر ٹھہرتی ہے۔ پچھلے مسافر اُترتے اور نئے سوار ہوتے ہین، اب مطلق اسٹیشن کا نام لیا جائیگا، تو شروع شروع مین اکثر اُس سے پہلے اسٹیشن کی تصویر تمھارے سامنے پھر جائے گی جہان تم دیر تک ٹھہرے، سوار ہوے، اور ائتلافات ذہنی کے قانون نے اُسکے تصور کو ذہن مین زیادہ راسخ کر دیا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوگا کہ دوسرے تیسرے اور چوتھے اسٹیشن کی بھی ایک دُھندلی سی تصویر سامنے آجائے گی، لیکن ذہن ان جزئیات سے تمثیل کا کام لیتا ہے۔ باقی احکام کلیہ کا تعلق اسٹیشن کے اسی معنی مرادی سے رکھتا ہے جہان ریل رُکتی اور مسافر چڑھتے اُترتے ہین۔

ایک بات اور یاد رکھنے والی ہے۔ تم ایک عجائب خانہ مین جاتے ہو۔ جہان آدمی کا ایک مردہ بچہ رکھا ہوتا ہے جسکے دو سر ہین، گو تمھارے ذہن مین دو سر والے آدمی کا تصور نہین ہوتا اور اس غیر معمولی مشاہدہ سے تمکو بے انتہا حیرت ہوتی ہے۔ تاہم تم اس کو ہاتھی،

گھوڑے، شیر، بکری وغیرہ کے بجائے آدمی ہی کا بچہ سمجھتے ہو، ہوتا یہ ہے کہ تمھارے خزانۂ ذہن مین سیکڑون ہزارون تصورات جزئی پہلے سے جمع ہین، اب جب اس نئے تصور کا ان تصورات سے موازنہ کرتے ہو تو شیر، بکری وغیرہ کی نسبت زید، عمر، بکر، وغیرہ کے تصور سے یہ زیادہ اقرب واشبہ ہوتا ہے اس لیے بے تامل اس دوسرے بچہ کو تم انسان کی صف مین داخل کردیتے ہو۔ یہی حال ہر نئے تصور کا ہوتا ہے، کہ حس یکسانیت کی مدد سے، اسکو تصورات موجودہ کے مختلف اصناف مین سے کسی ایک صنف کا فرد قرار دے لیتے ہو۔ حس یکسانیت اور عمل موازنہ، وضع کلیات کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اب ہم اصل بحث کو اس درخواست پر ختم کرتے ہین، کہ ہمارے فیصلہ کے سقم وصحت کی جانچ کے لیے قارئین کو منطقی دلائل سے زیادہ، خود اپنے واردات ذہنی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

تمام شد

